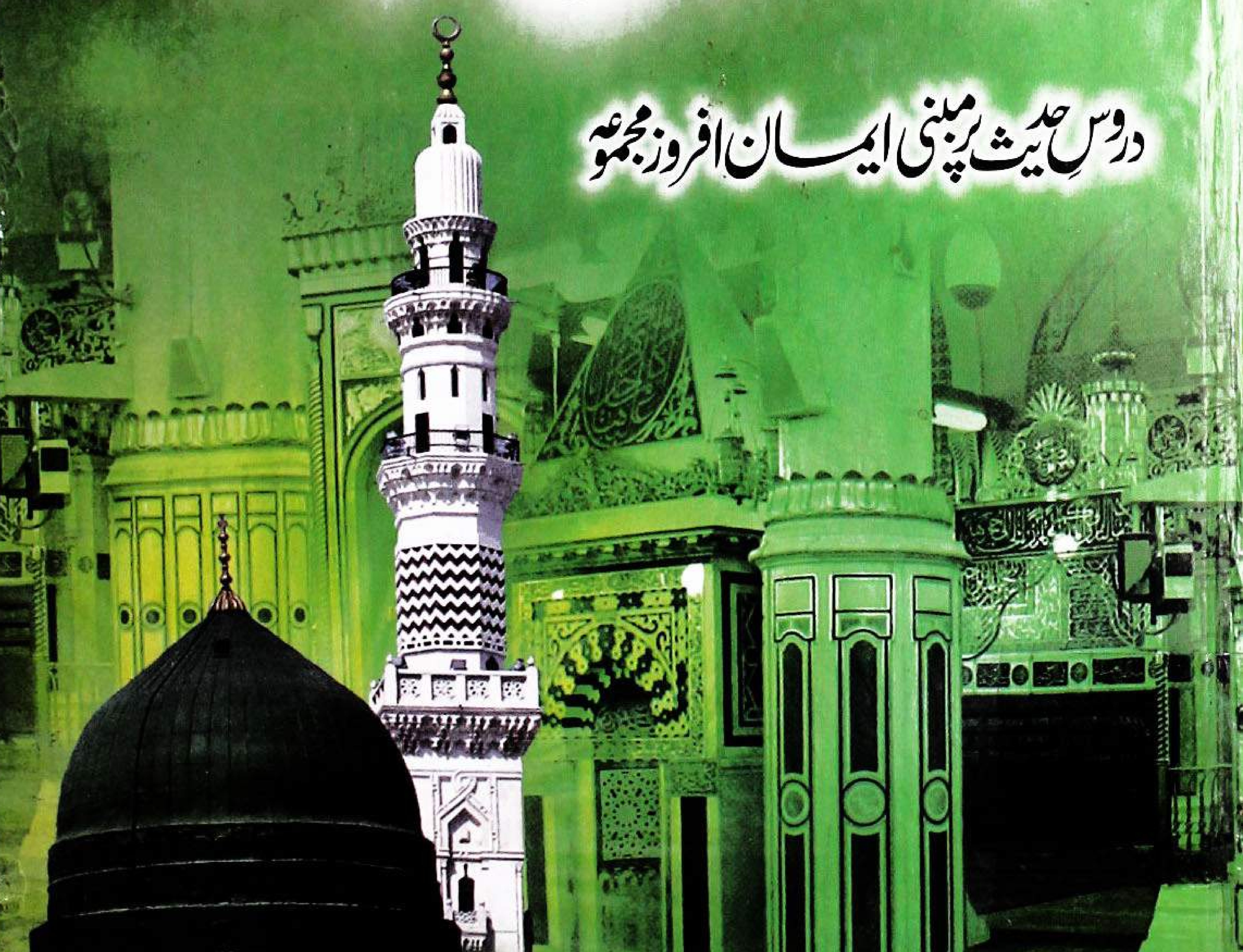
"نَضَّرَ اللّٰہُ عَبداً سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَهَا، وَوَعَاهَا، وَاَدَّاهَا" (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے، جس نے میری حدیث کو سنا، اس کو یاد کیا اور اس کو صحیح طور پر آگے پہنچایا۔

مجالسِ الحدیث

دروسِ حدیث پر مبنی ایمان افروز مجموعہ



افاضات عالیہ:

حضرت علامہ مفتی پیر محمد شہزاد مجددی سیفی

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

"جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

مجالس الحدیث

فوائد و فہم حدیث پر مبنی ایمان افروز مجموعہ

تحقیق و تالیف

پیر طریقت حضرت علامہ محمد شہزاد مجددی

دار الاخلاص لاہور

نام کتاب	:	مجالس الحدیث
مصنف	:	علامہ محمد شہزاد مجددی
[redacted]	:	مولانا کرم علی نعیمی سیفی
اشاعت اول	:	رجب 1435ھ / مئی 2014ء
صفحات	:	300
تعداد	:	1100
قیمت	:	-/300 روپے
زیر اہتمام	:	دارالاخلاص (مرکز تحقیق اسلامی) 49 ریلوے روڈ لاہور
رابطہ	:	E-Mail: msmujaddidi@yahoo.com Con:0300 9436903, 042-37234068

ملنے کا پتہ:

(۱) دارالاخلاص (مرکز تحقیق اسلامی) 49 ریلوے روڈ نزد چوک برف خانہ لاہور
(۲) آستانہ عالیہ سیفیہ فقیر آباد شریف (لکھوڈیر)
(۳) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
(۴) مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور
(۵) مکتبہ قادریہ گنج بخش روڈ لاہور
(۶) دارالعلم، دربار مارکیٹ نزد ستا ہوٹل لاہور
(۷) مکتبہ محمدیہ سیفیہ، راوی ریان
(۸) جامع مسجد نور، پنجاب سوسائٹی غازی روڈ، لاہور
(۱۰) نیو منہاج القرآن، دربار مارکیٹ، نزد ستا ہوٹل، لاہور

انتساب!

محدّث مکّہ

سیّدِ محمد بن علوی المالکی

نور اللہ مرقدہٗ

اور

استاذ مکرّم مفتی علی احمد سندیلوی

رحمۃ اللہ علیہ

.... کے نام!

فہرست مندرجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"میں نثار تیرے کلام پر"

محبوب رب العالمین، امام الانبیاء والمرسلین، صاحب جوامع الکلم، افصح العرب، ابلغ الناس، خطیب الانبیاء، سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ اور فرامین عالی شان ہی علوم الحدیث کا موضوع ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ علم کا موضوع جتنا بڑا اور عظیم الشان ہوتا ہے، اتنا ہی وہ علم رفعت مآب ہو جاتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نکلنے والے الفاظ اور پھر ان سے صادر ہونے والے احکام ومعارف ہی دین وشریعت قرار پاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان نطق قرآن نے یوں بیان فرمائی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۞ (النجم:3,4)

ترجمہ: اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

حضرت رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی اس کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے اگرچہ بظاہر اللہ کے بندے کے حلق سے نکل رہا ہے۔

چنانچہ عصر حاضر میں حدیث نبوی کی اہمیت وفضیلت کے اپنی جگہ مسلم ہونے

کے ساتھ ساتھ اس کی تشریعی حیثیت کو بھی نمایاں اور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ حدیث وسنت کے منکرین اور متجددین کے نظریاتی ضرر سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھا جاسکے، اس تناظر میں آج شروحِ کتب حدیث اور پھر حلقہ ہائے دروس حدیث کی ضرورت و اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ پیش نظر کتاب ''مجالس الحدیث'' بھی اسی سلسلۂ علمی کی ایک کڑی ہے۔ جس کی ابتداء میں ہم نے تعارف حدیث، علوم حدیث اور آداب مجالس الحدیث کو بھی برعایت اختصار شامل کر دیا ہے۔

لفظ حدیث کی لغوی تحقیق

اس قول، فعل یا تقریر (وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا) کو حدیث کہتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرف منسوب ہو۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب حدیث کے لفظ کو اخبار (خبر دینا) کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ اپنے مشہور ایام کو احادیث سے تعبیر کرتے تھے۔ مشہور نحوی الفراء اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ اسی لیے ان کے نزدیک حدیث کی جمع اُحدوثہ اور اُحدوثہ کی جمع احادیث ہے۔ عربی محاورہ میں کہتے ہیں "صار اُحدوثة" یا "صَارَ حَدِیْثاً"۔ یعنی فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔ مشہور شاعر ابو کلدہ نے ایک ہی شعر میں مثل اور احدوثہ کے الفاظ استعمال کر کے ان کے مترادف ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

وَلَا تُصْبِحُوْا اُحْدُوْثَةً مِثْلَ قَائِلٍ
بِهٖ یَضْرِبُ الْاَمْثَالَ مَنْ یَتَمَثَّلُ

ترجمہ: اس قائل کی طرح تم ضرب المثل نہ بن جاؤ کہ جو شخص مثال دینا چاہتا ہے تو

اُس کا نام پیش کر دیتا ہے۔

لفظ حدیث کے مادہ کو جیسے بھی تبدیل کرتے چلے جائیں اس میں خبر دینے کا مفہوم ضرور موجود ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ (الطور:34)

ترجمہ: تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا (الزمر:23)

ترجمہ: اللہ نے سب سے اچھی کتاب اتاری جو اول سے آخر ایک سی ہے۔

حدیث قدیم کی ضد ہے

بعض علماء کے نزدیک لفظ حدیث میں جدت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لیے حدیث قدیم کی ضد ہے۔ وہ قدیم سے کتاب اللہ اور جدید سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لیتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

شرعی اصطلاح میں حدیث سے وہ (اقوال واعمال) مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب ہوں، گویا حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن قدیم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں جدید ہے۔ مذکورہ بالا بیان اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ بہت سے علماء کتاب اللہ کو حدیث اور کلام اللہ کی بجائے حدیث اللہ کہنے سے احتراز کرتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ایک روایت موجود ہے جس سے اس انداز تعبیر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف دو ہی چیزیں اہمیت کی حامل ہیں،

ایک کلام اور دوسرا طریقہ۔ پس بہترین کلام تو کلام اللہ ہے اور بہترین راستہ وہ ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گامزن رہے۔ چونکہ اکثر کتب حدیث میں "ان احسن الحدیث کتاب اللہ" کے الفاظ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود اپنے قول کو حدیث کا نام دیا ہے۔ گویا آپ نے یہ نام رکھ کر اس کو ان دیگر امور سے ممتاز و ممیز کر دیا جن کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے اس طرح آپ نے لفظ حدیث کی وہ اصطلاح پہلے ہی مقرر فرما دی، جس پر محدثین نے آگے چل کر اتفاق کیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ روز قیامت آپ کی شفاعت کی سعادت کس کے حصہ میں آئے گی۔ آپ نے جواباً فرمایا۔ مجھے معلوم تھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا، کیونکہ وہ طلب حدیث کے بہت حریص ہیں۔

حدیث وسنت میں فرق

لفظ سنت اپنی اصل کے پیش نظر لفظ حدیث کے مترادف و مساوی نہیں۔ اپنے اصل لغوی معنی کے اعتبار سے سنت کا اطلاق اس دینی طریقہ پر کیا جاتا تھا۔ جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سیرت مطہرہ میں گامزن رہے۔ اس لیے کہ سنت کے لغوی معنی راستہ کے ہیں۔ لفظ حدیث عام ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال واعمال سب داخل ہیں۔ بخلاف سنت کا لفظ آپ کے اعمال کے ساتھ مختص ہے، دونوں لفظوں کے مفہوم کے مابین اس فرق وامتیاز کے پیش نظر محدثین کبھی یوں کہہ دیتے ہیں۔

هذا الحديث مخالف للقياس والسنة والاجماع

ترجمہ: یہ حدیث قیاس سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

یا یوں کہتے ہیں:

امام فی الحدیث و امام فی السنۃ و امام فیہما معاً

ترجمہ: فلاں شخص حدیث کا امام ہے فلاں شخص سنت کا امام ہے اور فلاں دونوں کا امام ہے۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم بالکل جداگانہ نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ ابن الندیم نے ایک کتاب کا نام "کتاب السنن بشواھد الحدیث" بتایا ہے، (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث و سنت کا مفہوم باہم مختلف ہے)۔

لفظ سنت کی لغوی تحقیق

سنت سے طریق اور راستہ کا مفہوم مراد لینا عربوں کے یہاں کوئی نئی بات نہیں بلکہ عرب ظہور اسلام سے پہلے بھی سنت کے اس مفہوم اور اس کی ضد بدعت سے آگاہ و آشنا تھے۔ جب سنت کے لفظ کو اللہ کی طرف مضاف کر کے سنت اللہ کہا جاتا ہے تو وہ اس سے بھی سنت کا مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید میں فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب:62)

ترجمہ: یہ اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں کے بارے میں جو گزر چکے۔

جب عربوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے "علیکم بسنتی" کے الفاظ سنے تو انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے اطوار و آداب مراد ہیں۔ مدینہ منورہ دیگر بلاد عالم کی نسبت سنت نبوی کا سب سے زیادہ حریص تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے "دار السنہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اطراف مدینہ میں سنت کے مفہوم نے سیاسی و اجتماعی شکل و صورت کی بجائے دینی و

اساسی رنگ وروپ اختیار کرلیا، چنانچہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ میں کسی بدعت کو جنم دیا اس پر اللہ تعالی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔[1]

اس حدیث میں اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص جماعت کے شیرازہ کو منتشر کردے، امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے اور بدعت کو سنت کے مقابلہ میں ترجیح دے تو اللہ اور رسول اس سے بیزار ہیں۔ یہاں حدث کے الفاظ کو بدعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہت جلد مسلمانوں نے (حدث وبدعت) کی محدود دنیا سے نکل کر اس سے ایک جامع اور وسیع مفہوم مراد لینا شروع کیا، مسلمان صرف مدینہ کے ''دار السنۃ'' ہی میں بدعات کی ترویج سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ یہ خطرہ انہیں ہر اس جگہ لاحق تھا جہاں بھی دعوت اسلام پہنچی۔ بہر کیف حدث و بدعت میں چنداں فرق نہیں، جیسا کہ حضور ﷺ کے ارشاد سے واضح ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شر الامور محدثاتها[2] ترجمہ: بدترین امور بدعات ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے اس امر (دین اسلام) میں کوئی نئی بات ایجاد کی تو وہ مردود ہے۔[3]

حفاظت سنت

جب بدعات کی ترویج واشاعت کا خطرہ پیدا ہوا تھا تو اسی حد تک حفاظت حدیث وسنت کی تحریص وتشویق پیدا ہوئی۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جس مسلمان کا دل ودماغ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے وابستہ ہو مگر وہ اپنے آپ کو اسوہ رسول کے سانچہ میں نہ ڈھالے۔ تو یاد رکھیے وہ نہ تو صادق وامین ہوسکتا ہے اور نہ وہ بارگاہ ایزدی میں مقرب بن سکتا ہے۔ جو شخص حدیث رسول سے وابستہ ہو۔ وہ لازمی طور

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الاعتصام، باب الاعتصام

۲۔ صحیح بخاری: کتاب الاعتصام، باب الاعتصام

۳۔ سنن ابوداود: کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ

سے اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار ہوگا۔ وہ کبھی اس بات کی جسارت نہیں کرے گا جو آپ نے نہ کی ہو۔ بلکہ کوئی کام انجام دینے سے قبل اس بات پر غور کرے گا کہ سنت نبوی سے کون سا فعل قریب تر ہے۔ مثال کے طور پر کپڑے کو سمیٹ کر رکھنا، ٹخنوں سے نیچے نہ گرنے دینا، کثرت سے سلام کرنا مگر دھیمی آواز کے ساتھ، جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جانا، اس قسم کی دیگر عادات جن کا ذکر کتب حدیث کے کتاب الادب میں کیا گیا ہے۔ عہد رسالت اور زمانہ وحی گزر جانے کے بعد علمائے سلف یہ لوگ احیاء سنت اور بدعات کے مٹانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیا کرتے تھے۔

حدیث وسنت میں یگانگت

اگرچہ اکثر جگہ حدیث وسنت کے الفاظ کا اطلاق جداگانہ معنی ومفہوم پر کیا جاتا ہے مگر نقاد حدیث ہمیشہ ان کو مساوی ومترادف یا کم از کم قریب المعنی سمجھتے رہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے اس لیے عملی سنت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور طریقہ کا نام ہے۔ جس کو آپ ایسے حکیمانہ اقوال اور احادیث سے موید فرمایا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ حدیث وسنت دونوں کا موضوع ایک ہے۔ دونوں کا مرکز ومحور یکساں طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال واعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے اقوال آپ کے اعمال کی تائید کرتے ہیں۔ آپ کے اعمال سے اقوال کو تائید وتقویت حاصل ہوتی ہے۔ جب مذکورہ صدر حقائق نقاد حدیث کے ذہن میں گردش کرنے لگے تو انہیں اس ناقابل تردید حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا کہ اگر ہم حدیث وسنت دونوں کے اصلی مورد کو نظر انداز کر دیں تو (استعمال کے لحاظ سے) دونوں ایک ہیں اور ان میں کوئی فرق وامتیاز نہیں پایا جاتا۔ ان حقائق کے پیش نظر اکثر محدثین نے ان کے مترادف ہونے کا فیصلہ صادر کیا۔

خبر و اثر

حدیث نبوی وہ خبر ہی تو ہے جو نبی اکرم ﷺ تک پہنچی ہوئی ہو۔ صرف بات یہ ہوئی کہ مورّخ کو اخباری کہنے سے بعض علماء نے یہ سمجھ لیا کہ عالم حدیث کو محدّث اور تاریخ دان کو اخباری کہتے ہیں۔ اس لیے حدیث وہ ہے جو حضور ﷺ سے منقول ہو اور خبر وہ جو کسی اور سے اخذ کی گئی ہو۔ اس طرح انہوں نے حدیث و خبر کے مابین عموم وخصوص کی منطقی نسبت قرار دی اور اس کے زیر اثر یہ فیصلہ صادر کیا کہ ہر حدیث خبر ہوتی ہے اور ہر خبر حدیث نہیں ہوتی۔ جو محدثین حدیث و خبر کو مترادف قرار دیتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ دونوں لفظوں میں لغوی مفہوم مشترک ہے۔ دوسری بات یہ کہ رواۃِ حدیث نے صرف وہی حدیثیں روایت نہیں کیں جو مرفوع ہونے کی بناء پر حضور ﷺ تک پہنچتی ہیں بلکہ صحابہ کی موقوف روایات اور تابعین کی مقطوعات بھی نقل کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ راویان حدیث نے حضور ﷺ سے نقل کردہ روایات بھی نقل کیں اور دوسروں سے ماخوذ اقوال و آثار بھی ذکر کیے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خبر کا اطلاق ان سب (مرفوعات، موقوفات، مقطوعات) پر یکساں طور کیا جاتا ہے۔ اس لیے حدیث کو خبر اور خبر کو حدیث کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ محدثین نے اسی زاویۂ نگاہ سے ''اثر'' کے لفظ کو بھی دیکھا۔ بلاشبہ اثر کا لفظ خبر و سنت اور حدیث کا مترادف ہے۔ عربی محاورہ میں کہتے ہیں۔ میں نے حدیث کو روایت کیا، اثر کی جانب منسوب کر کے محدث کو ''اثری'' بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اثر کو اقوال صحابہ و تابعین کے ساتھ مخصوص کرنے کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں، اس لیے کہ موقوف اور مقطوع روایات اسی طرح نقل و روایت کی جاتی ہیں جیسے مرفوعات۔ فرق یہ ہے کہ موقوف روایت کو صحابی مقطوع کو تابعی اور مرفوع کو نبی کریم ﷺ کی جانب

منسوب کیا جاتا ہے۔

حدیث قدسی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی نصیحت آموز باتیں سنایا کرتے تھے جو نہ تو وحی ہوتیں کہ انہیں قرآن کا نام دیا جا سکے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی اقوال جن کو صراحتاً آپ کی جانب منسوب کیا جا سکے اور ان کو حدیث نبوی کے نام سے یاد کر سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی باتیں ذکر کرتے ہوئے صراحتہً ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب فرماتے۔ اس سے آپ کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ آپ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے نقل کر رہے ہیں اور آپ کا انداز بیان قرآنی اسلوب سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ مگر بایں ہمہ اس کلام پر تقدس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور عالم الغیب کے نور کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ ایسے کلام کو ''احادیث قدسیہ'' یا ''احادیث الٰہیہ ربانیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ ہیں۔ انہوں نے نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ اس نے فرمایا: میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام ٹھہرایا اور تمہارے لیے بھی ظلم کو ممنوع قرار دیا اس لیے ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ شخص جسے میں ہدایت دوں۔ اس لیے مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم سب بھوکے ہو اس شخص کے سوا جس کو میں کھانا کھلا دوں۔ لہٰذا مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھانا عطا کروں گا۔ میرے بندو! تم سب برہنہ ہو سوا اس شخص کے جسے میں لباس پہناؤں لہٰذا مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم شب و روز گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہ معاف کرتا ہوں، پس مجھ سے معافی مانگو میں تمہیں معاف کر دوں

گا۔میرے بندو! تم مجھے نقصان پہنچا سکتے ہو نہ نفع پہنچا سکتے ہو۔ میرے بندو! اگر پہلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے متقی ترین شخص کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں کچھ بھی اضافہ نہ کرسکیں گے۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے بدترین آدمی کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں سے کچھ کم نہ کرسکیں گے۔ میرے بندو! اگر پہلے اور پچھلے انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کی مراد پوری کردوں۔ تو میرے خزانہ میں اسی قسم کی کمی آئے گی جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ میرے بندو! میں تمہارے اعمال کا حساب رکھتا ہوں اور پھر ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو (اپنے اعمال نامہ میں) بھلائی دیکھے تو خدا کا شکر ادا کرے۔ اگر کچھ اور پائے تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔[1]

اس حدیث کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "فیمایرویه عن ربه" کے الفاظ سے کیا۔ حدیث قدسی کی روایت میں علمائے سلف نے مذکورہ صدر عبارت ہی کو ترجیح دی ہے۔ جہاں تک متاخرین کا تعلق ہے وہ احادیث قدسیہ کو "قال الله تعالى فیمارواه عنه رسول الله ﷺ" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ معنوی اعتبار سے دونوں عبارتوں کا حاصل ایک ہے۔ فرق جو کچھ بھی ہو صرف اصطلاحات مقرر کرنے کا ہے۔ احادیث قدسیہ کے یہ الفاظ کہ "یرویه عن ربه" ان علماء کی دلیل ہیں جو کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کے الفاظ بھی خداوند تعالیٰ کے ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کا معنی و مفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔ ابو البقاء کی یہی رائے ہے۔ چنانچہ وہ صراحتہً

1۔ ریاض الصالحین للنووی: 73

فرماتے ہیں۔ قرآن وہ ہے جس کے الفاظ و معانی وحی جلی کی صورت میں خدا کی طرف سے نازل شدہ ہوں۔ باقی رہی حدیث قدسی تو اس کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہیں اور ان کا معنی و مفہوم خواب و الہام کے ذریعہ نبی پر من جانب اللہ القاء کیا جاتا ہے۔[1]

اسلامی قانون میں حدیث نبوی کا مرتبہ و مقام

محققین اہل علم کا قول ہے کہ حدیث صحیح تمام امت پر حجت ہے۔ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں ان قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہیں جن میں اطاعت رسول ﷺ کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو وہ اہل علم میں سے شمار نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو عالم تصور کرتا ہو اور لوگ بھی اس کے تبحر اور دینی فہم و ادراک کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ قرآن کریم کے اس واضح حکم کے بعد علمی بحث و تمحیص کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ جب آیات سے اطاعت رسول کی فرضیت معلوم ہوتی ہے۔ صریح اور ناقابل تاویل ہیں۔ آپ کی اطاعت صورت صرف یہی ہے کہ حدیث و سنت کی پیروی کی جائے۔ دینی مسائل میں اس سے استدلال کیا اور قرآن کریم کے بعد حدیث کو قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ قرار دیا جائے۔

اگرچہ حدیث کا ماخذ قانون ہونا ایک بدیہی امر ہے تاہم ہم حجیت حدیث کے بعض پیچیدہ پہلوؤں کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن آیات میں اطاعت رسول کی ترغیب دلائی گئی ہے آیا وہ حدیث نبوی کو ایک مستقل ماخذ تشریع قرار دیتی ہیں۔ تاکہ اس میں بیان کردہ احکام کو قرآنی احکام کی طرح اخذ

1۔ کلیات ابی البقاء:288

کیا جائے۔ یا حدیث کی حیثیت ایک مستقل مآخذ کی نہیں بلکہ وہ صرف قرآن کریم کی تشریح وتفسیر ہے اور بس۔ جب حدیث نبوی بیّن اور مفسر ٹھہری اور اس کا کام اجمال قرآن کی تفصیل بیان کرنا ہوا تو قرآن کی طرح اس کو مآخذ قانون کیسے قرار دیا جا سکے گا۔ بلکہ احکام دین کا مآخذ صرف قرآن کریم ٹھہرے گا۔ جس صورت میں حدیث کو ایک مستقل یا غیر مستقل مآخذ تشریع قرار دیا جائے گا۔ اس میں پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا اخبار آحاد مقبول ہوگی؟ یا دوسری احادیث سے استشہاد کر کے ان کو تقویت بہم پہنچائی جائے گی۔

ان اعتراضات کے جواب سے عہدہ برآ ہونے والے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم قرآن کریم کی وہ آیات نقل کریں جن سے سنت نبوی پر عمل کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ عبدالرحمن بن یزید نے ایام حج میں ایک محرم آدمی کو دیکھا جس نے ایک سلا ہوا کپڑا پہن رکھا تھا۔ عبدالرحمن نے اسے کپڑا اتار کر سنت نبوی پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے عبدالرحمن سے کہا ''مجھے کوئی آیت بتایئے جس میں کپڑے اتارنے کا حکم دیا گیا ہو۔ عبدالرحمن نے اسے یہ آیت سنائی:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7)

ترجمہ: اور رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس نے منع کرے اس سے باز رہو۔

بظاہر قرآن میں سلا ہوا کپڑا اتارنے کا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ حکم صرف حدیث میں دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سنت اس شرعی حکم کے بیان کرنے میں منفرد ہے اور اس طرح ایک مستقل مآخذ تشریع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں سے باز رہنے کی ہدایت کی ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہو۔

سنت رسول کے بارے میں ایک مومن کا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ جب بھی

182279 ~~141779~~

جدل ونزع کی صورت پیدا ہو اور جب بھی کوئی دعویٰ اٹھے تو حدیث نبوی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر تسلیم جھکا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء:65)

ترجمہ: تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ بنالیں اور پھر آپ جو فیصلہ بھی صادر کر دیں اس کے خلاف اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور گردن تسلیم خم کر دیں۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ آپ پانی کے نالے سے پہلے اپنا کھیت سیراب کر لیں اور پھر انصاری کو باری دے دیں۔ یہ انصاری بزرگ غزوہ بدر میں شمولیت کر چکے تھے۔ اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ حدیث نبوی کو اس مسئلہ میں واحد ماخذ تشریع قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:43)

ترجمہ: ہم نے قرآن کو آپ پر اتارا تاکہ جو چیز آپ پر اتاری گئی ہے۔

آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی کی قانونی پوزیشن واضح کی اور بتایا کہ اقوال و اعمال رسول قرآن کے معنی مفہوم واضح کرتے ہیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمال قرآن کی تفصیل بیان کرتی ہے اور مطلق کو مقید اور عام الفاظ کی تخصیص کرتی ہے۔ شریعت میں جو مقادیر حدود اور جزئیات غیر

معین ہیں حدیث ان کو معین کرتی ہے۔قرآن جس امر کی تصریح سے خاموشی اختیار کرتا ہے وہاں تنہا سنت دین کا نقطہ نظر واضح کرتی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریعی وسعت و جامعیت

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن مجملات قرآن پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس میں اسلامی تشریع کے تمام پہلو مثلاً عبادات، معاملات اور حلال وحرام سب آجاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تفصیل بطریق قیاس بیان فرمائی۔کبھی دو نظیروں اور دو متقابل چیزوں کے مابین مقارنہ وموازنہ سے اس کو واضح کیا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ:275)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت سے یہ مفہوم سمجھا کہ ربا کے حرام ہونے کا راز اس زیادت اور اضافہ میں مضمر ہے جس کا عوض ومقابل نہ ہو۔اس لیے آپ نے اس قسم کے ہر اضافہ کو سود پر قیاس کر کے حرام قرار دیا۔آپ نے فرمایا: سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے عوض نمک، جنس بجنس برابر برابر اور دست بدست، جس نے زیادہ دیا ''یا'' لیا اس نے سود کا کاروبار کیا۔جب جنس ایک نہ ہو (مثلاً ایک طرف جو اور دوسری جانب گندم) تو اس میں زیادتی جائز ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب جنس ایک نہ ہو تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ بیع دست بدست ہو۔[1]

قرآن نے زنا کو حرام اور نکاح کو حلال قرار دیا ہے مگر اس نکاح کے حکم سے

1۔ رواہ المسلم

خاموشی اختیار کی جو خلاف شرع ہو، مثلاً عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنا اور غیر شرعی نکاح کو یکساں قرار دیا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ جس نکاح میں شرعی شرائط کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو وہ باطل ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔[۱]

قرآن نے سمندر کے شکار کو حلال وطیب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ

(المائدہ:94)

ترجمہ: سمندر کا شکار اور کھانا تمہارے لیے حلال قرار دیا گیا یہ تمہارے اور مسافروں کے لیے ایک سامان کی حیثیت رکھتا ہے۔

مردار کو قرآن کریم کے متعدد مقامات میں حرام قطعی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں ایک طرف سمندری شکار کو علی الاطلاق حلال قرار دیا گیا۔ دوسری طرف مردار کو بصیغہ عموم حرام قرار ٹھہرایا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے حکموں میں اعتدال پیدا کرتے ہوئے سمندری مردار کو عام حکم سے مستثنیٰ کر کے حلال قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمندر کے بارے فرمایا: اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔[۲]

ایک روایت میں اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار اور خون حلال ٹھہرائے گئے اور دو مردار اور خون حرام ٹھہرائے گئے۔ تو ٹڈی اور مچھلی حلال ہیں اور جگر اور تلی حرام ہیں۔ جس قدر قرآن کریم کو حدیث کی ضرورت ہے اتنی حدیث کو قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔[۳]

۱۔ ابوداود: کتاب النکاح، باب فی الولی

۲۔ ابوداود: کتاب الطہارۃ، باب الماء البحر

۳۔ جامع بیان العلم: 2/191

مذکورہ صدر مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ حدیث دو قسموں میں منقسم ہے۔ وہ احادیث جو مستقل فی التشریع ہیں اور ان میں وہ مسائل واحکام بیان کیے گئے جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ ایسی احادیث جو مجملات قرآن کی تفسیر وتفصیل پیش کرتی ہیں۔ امام شاطبی فرماتے ہیں۔ قرآنی دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ شریعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر تشریف لائے اور آپ کے تمام اوامر ونواہی قرآنی احکام کے ساتھ ملحق ہیں۔ اس لیے ان کا قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ہونا ناگزیر ہے۔ [1]

یہی اضافہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تفصیلات میں نظر آتا ہے اس امر کا موجب ہوا کہ حدیث نبوی کو جملہ اقوال کے مطابق قرآن کے بعد دوسرا مرتبہ حاصل ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کا وجود دو اصلوں سے عبارت ہے۔ (۱) قرآن (۲) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے چلا ہوں۔ جب تک انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) میری سنت۔ [2]

حدیث مستقل مآخذ تشریع ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن ہر اس چیز پر اجمالاً وتفصیلاً دلالت کرتا ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سنت بھی مقرر فرمائی، قرآن میں اس کی اصل موجود ہے۔ اس لیے قرآن کو اللہ پاک نے "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"

۱- الموافقات: 4/14

۲- جامع بیان العلم: 2/180

(النحل:89) (ہر چیز کی تفصیل) کہا ہے قرآن کے ساتھ دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ:3)

ترجمہ: آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔

دوسری جگہ فرمایا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:38)

ترجمہ: ہم نے قرآن میں کسی بات کی کمی باقی نہیں چھوڑی۔

اس لیے حدیث کسی صورت میں بھی شریعت میں اضافہ نہیں کر سکتی پھر یہ تشریع میں مستقل حیثیت کی حامل کیونکر ہو سکتی ہے۔ جو لوگ یہ شبہ وارد کرتے ہیں ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ قرآن کریم کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ قرآن کریم اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شدید تاکید کرتا اور آپ کی خلاف ورزی سے ڈراتا ہے۔ قرآن کریم جہاں آپ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ وہاں اس بات کی مطلقاً تفریق نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ حکم تفسیر قرآن کے متعلق ہو۔ یا اس کی حیثیت ایک مستقل حکم کی ہو (جو سرے سے قرآن میں موجود ہی نہیں)۔

قرآن بطریق (تخویف) کہتا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ

(النور:63)

ترجمہ: جو لوگ آپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی اطاعت اور آپ کی نافرمانی کی ممانعت

واضح ہوتی ہے۔ یہ اطاعت ان امور میں ہوگی جو سنت ہیں اور جن کا قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا یہ وہی مضمون ہے جس کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:59)

ترجمہ: اگر کسی بات میں تمہارے یہاں تنازع بپا ہو جائے تو اس سے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب الٰہی کی طرف لوٹانا ہے اسی طرح رد الی الرسول سے آپ کی وفات کے بعد حدیث و سنت کی جانب رجوع کرنا مقصود ہے۔ اس کے بعد سنت کو تفصیلی مدلولات کے ساتھ قرآن کی طرف لوٹایا جائے گا۔ کوئی عالم اس بات کی مخالفت نہیں کرتا کہ سنت پر عمل بعینہ قرآن پر عمل پیرا ہونے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ سنت پر عمل واجب ہے۔ کیونکہ قرآن اعم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں اخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اعم اپنے کلیات کی وجہ سے اخص کی جزئیات پر حاوی ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کے مابین جن اصول وقواعد میں اتحاد واشتراک پایا جاتا ہے۔ اس کو مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حدیث جداگانہ طور پر تشریح وتوضیح کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے رسول کو ہادی و پیشوا اور آپ کی سنت کو رہنما بنایا ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن کی امید رکھتا ہے اور ذکر خداوندی میں مشغول رہتا ہو۔

خرید وفروخت سے متعلق مسائل کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:19)

ترجمہ: اپنے مالوں کو باہم ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔

نیز فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ:275)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہرایا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم خداوندی ان کی وضاحت کر دیا کرتے تھے۔ اسلامی قانون میں جو حدیث نبوی کو مقام حاصل ہے۔ اس کی توضیح وتشریح کے پیش نظر ان چاروں اقسام میں سے آخری صحیح تر ہے۔ اس کے پیش نظر ان دونوں باتوں میں باہم توافق و تطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن ہر چیز کے لیے تبیان ہے اور اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ نیز یہکہ حدیث ایسے احکام کا اثبات کرتی ہے۔ جو قرآن میں نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی مذکور نہیں ہیں۔ البتہ ان مسائل کے اصول وقواعد قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ معتدل مذہب ہمیں بلاتردد اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حدیث کو اسلام کے اصول تشریع میں سے اصل ثانی قرار دیں۔ پھر بعض علماء کا اس کو ایک مستقل اصل قرار دینا بھی بعید از قیاس نہ ہوگا۔ اور جنہوں نے غیر مستقل کہا وہ بھی غلط نہیں ہوگا۔ علماء شروع ہی سے یہ سچی بات کہتے چلے آئے کہ: قرآن کریم نے حدیث کے لیے جگہ باقی چھوڑی تھی اور حدیث نے قرآن کے لیے۔[1]

مندرجہ ذیل آیت کے پیش نظر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

1- الموافقات:4/16

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

ترجمہ: جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

اعتقادی فتنے

تاریخ اسلام میں دیگر فتنوں کی طرح ایک اعتقادی فتنہ کھڑا ہوا خلق قرآن کے حوالے سے کہ قرآن مخلوق ہے، وہ قرآن کو مخلوق کیوں ثابت کرنا چاہتے تھے، اس لیے تاکہ ہم بھی مخلوق ہیں اور قرآن بھی مخلوق ہے لہٰذا جب ثابت ہو جائے کہ دونوں ہی مخلوق ہیں تو جیسے چاہیں اس کو موڑ دیں جس حرام کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حلال کو حرام کر دیں فحاشی و عریانی کے دروازے کھولیں اس سے سہولتیں نکالیں جس طرح بنی اسرائیل نکالتے تھے، کلام الٰہی میں تصریفات کرتے تھے اس لیے قرآن پاک نے ان کے بارے فرمایا:

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ:5)

ترجمہ: گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔

بنی اسرائیل کے علماء کلام الٰہی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں فرمایا، یہ اس گدھے کی طرح ہیں جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، اگر گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو وہ عالم تو نہیں بن جاتا یہ قرآن نے ان لوگوں کی مثال بیان کی جنہوں نے اپنی خواہش نفس کے تابع ہو کر قرآن و حدیث کے معنی بیان کیے۔ امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قرآن و حدیث کا درست معنی اس شخص پر ہی کھلتا ہے جس کے لیے سونا اور مٹی برابر ہو جائے۔

یہ ائمہ کرام جن کی ہم بات کرتے ہیں یہ ایسے ہی نہیں حدیثیں جمع کرتے اور پڑھتے اور پڑھاتے تھے بلکہ ان کا حدیث والے سے اتنا گہرا تعلق تھا اس کلام کے

پیچھے اس متکلم کی ایسی وابستگی تھی، امام مالک علیہ الرحمہ جو امام الحدیث والفقہ تھے جس روز آپ بالغ ہوئے مدینہ میں رہتے مدینے میں پیدا ہوئے مسجد نبوی کی فضا اور اس کے اردگرد رہتے ہو جوان ہوئے، بلوغت کی رات سے لے کر زندگی کی آخری رات تک کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں آپ علیہ الرحمہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نہ ہوا ہو، یہ اتنا گہرا تعلق تھا اسی لیے ان کو جہاں پر علماء نے امام مانا ہے وہاں پر دوسروں نے بھی ان کو اپنا امام مانا ہے جب فقہی اور شرعی مسئلہ آتا ہے تو انہیں ائمہ کرام کی تقلید اور فتوے پر حجت اور سند سمجھتے ہیں وجہ کیا تھی یہ صرف ظاہر کے ہی امام نہیں تھے بلکہ باطن کے بھی امام تھے اسی فتاوٰی رضویہ میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ اور مکتوبات کے اندر امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یہ لکھا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ یہ دونوں امام صاحب کے بڑے شاگرد اور دست و بازو تھے، جن کو (صاحبین) کہتے ہیں یہ صرف فقہ کے ہی امام نہیں تھے بلکہ یہ سرداران کشف و مجاہدہ بھی تھے، چونکہ اس دور میں یہ فرق نہیں تھا یہ بعد میں ہوا، جو ظاہر و باطن سے کٹ گئے انہوں نے یہ کہا کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے اپنے پیروکاروں کو اپنے سے وابستہ رکھنے کے لیے انہوں نے یہ تقسیم کی لیکن ابتدا میں تو یہ تقسیم نہیں تھی خلفاء راشدین کے دور میں جب کوئی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتا تھا وہ بیعت سیاسی بھی ہوتی تھا اور روحانی بھی ہوتی تھی جو ائمہ تھے انہوں نے اس وراثت کو پوری طرح سنبھالا، ائمہ اہل بیت جتنے تھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ان کے والد امام باقر رضی اللہ عنہ یہ سارے فقہ کے بھی امام تھے حدیث کے بھی امام تھے اور روحانیت کے بھی امام تھے، تینوں میدانوں میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے حلقہ حدیث میں بیٹھنے والوں میں ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض ہیں داود طائی ہیں جو

طریقت کے سارے شجرے وہ ان کی طرف ہیں عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح علیہ الرحمہ بندہ ان کے نام سن کر حیران ہوتا ہے، آپ کے حلقہ درس حدیث میں ہر فیلڈ اور ہر مضمون کا امام بیٹھا ہوا ہے جو اپنے Subject کا امام تھا وہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی محفل میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتا ہے تو صحابہ کرام سے یہ روایت چلی کہ حدیث کو یاد بھی کرنا ہے اور اس کو محفوظ بھی کرنا ہے اور اس کو صحیح پہنچانا ہے اور ساتھ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا کہ اس کو صحیح و درست آگے پہنچانا ہے اس میں کوئی آمیزش نہیں کرنی نہ ہی ملاوٹ کرنی ہے کوئی کمی و بیشی نہیں کرنی یہ حدیث متواتر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار[1]

ترجمہ: جس شخص نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔

دوسرے الفاظ:

من حدث عنی حدیثا وھو یری انہ کذب فھو احد[2]

ترجمہ: جس نے میری طرف ایسی بات بیان کی جو اسے معلوم ہے کہ یہ میں نے بات نہیں کہی تو وہ بڑے جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

یہ حدیث پاک متواترات میں سے ہے تقریباً ایک سو صحابہ کرام نے اس کو روایت کیا ہے اس کو چار خلفاء راشدین دس عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہے۔

ایک امام کا قول ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات کہی تو وہ کافر ہو گیا، عام طور بھی جھوٹی بات کرنا بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے لیکن اصدق الصادقین

۱۔ سنن ترمذی: ابواب العلم، باب من روی حدیثا وھو یری انہ کذب

۲۔ سنن ترمذی: ابواب العلم، باب من روی حدیثا وھو یری انہ کذب

سب سے بڑے سچے کی طرف جھوٹی بات کرنا، یہاں سے احتیاط کی ضرورت ہے تو اس احتیاط میں صحابہ کرام کو تو سب سے آگے ہی نظر آتا تھا، حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جو کہ مقرب خاص تھے اور روایات میں سب سے زیادہ کم ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے تقریباً 143 حدیثیں مروی ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی کچھ زیادہ ہیں اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ سے کم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں اگر یہ ساری حدیثیں ملائیں تو تقریباً ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، اسی طرح معلم صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ڈر کے مارے نہیں کہتے تھے کہ ''قال رسول اللہ ﷺ'' خوف وخشیت کی وجہ سے یہ الفاظ کہتے ہوئے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا رونگٹے کھڑے ہو جاتے، پھر ساتھ ہی کہتے کہ '' کذا او کذا '' یہی سے یہ روایت چلی کہ محدثین جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں '' او کما قال علیہ السلام '' یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ احتیاط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلی ان کے شاگرد بیٹھے وہ حدیث بیان کرتے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خوف وڈر کی وجہ سے، دوسری بات فتنہ وضع حدیث دور تابعین میں ایک ایسا طبقہ بھی اٹھا جن کو واضعین حدیث کہتے تھے، انہوں نے خود حدیثیں گھڑ کے ذخیرہ حدیث میں روایت کردی یہ فتنہ حدیث شروع ہوا یہ ایک دفتر ہے علوم حدیث کے اندر، ایک اور طبقہ تیار ہوا ایک روتا ہوا بچہ آیا باپ نے پوچھا کیا ہوا، اس نے کہا مجھے سعد نے مارا ہے، وہ بچہ بڑی شدت سے چیخ رہا ہے تو باپ نے کہا میں ابھی اس کا علاج کرتا ہوں تو اس نے حدیث گھڑ دی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے جو معلمین بچوں کو ماریں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔ روافض نے حضرت علی رضی اللہ

عنہٗ کے بارے حدیثیں گھڑیں اور جو خوارج تھے انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے بارے حدیثیں گھڑیں، میں یہ چھوٹے سے شعائر دے رہا ہوں اس طرح یہ رجحان پیدا ہوئے یہ بھی امت کی ایک آزمائش تھی کہ دیکھیں یہ کیا کرتے ہیں پھر اللہ نے ایسے ماہرین و کاملین پیدا کیے ایسے امام پیدا کیے جن کو اللہ نے اتنی فہم وفراست عطا فرمائی ہے۔ یہ ائمہ کرام نے لکھا ہے کہ جسے صحبت نبوی نصیب ہو وہ صحابی بنتا ہے اور جسے صحبت کلام نبوی نصیب ہو وہ محدث بنتا ہے جسے کلام نبوی سے ایسی مناسبت پیدا ہو جائے کہ اگر کوئی اس کے سامنے زبانی پڑھے تو وہ اپنی فراست باطنی سے جانچ لے کہ یہ اللہ کے نبی ﷺ کا کلام ہے یا کسی اور کا کلام ہے اللہ پاک نے ایسے لوگ بھی پیدا کیے ایسے ماہرین بھی پیدا فرمائے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسے قانون و کسوٹی بنائیں، کہ جس پر حق و باطل کو پرکھا جا سکے تو صحابہ کرام سے اس کا اہتمام ملتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سب سے زیادہ محتاط و مقرب خاص تھے آپ کے دور خلافت میں دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش ہوا مرنے والے کی دادی کی جو میراث ہے وہ کیا ہے کتنی ہے اور ہے بھی یا نہیں اس کے لیے آپ کی خدمت میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ اتنے محتاط تھے تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی اس کا گواہ ہے کیا میرے علاوہ بھی کسی نے یہ حدیث سنی ہے یہاں سے ایک اور کام نکلا وہ تھا خبر واحد اور خبر متواتر، خبر متواتر کا مطلب ہے کہ جس کو ہمیشہ ایک جم غفیر نے نقل کیا ہو، خبر واحد وہ ہے جس کو ایک ہی شخص نے روایت کیا ہو جس کا راوی اوپر سے نیچے تک ایک ہی رہا اگرچہ سارے راوی ثقہ تھے۔

بہرحال دو صحابی کھڑے ہوئے اور کہا کہ جو یہ بات کہہ رہے ہیں درست ہے اس حدیث کی روشنی میں 1/6 دادی کو حصہ دیا جائے گا۔ دادی کی میراث کا مسئلہ بہت

اہم ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ آئے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے گھر تین بار دستک دی، پھر واپس چلے گئے بعد میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر آئے دیکھا کوئی نہیں تو مسجد نبوی میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے گھر میں کون آیا تھا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا میں آیا تھا، فرمایا تمہیں پتہ نہیں کہ کوئی بندہ گھر میں مصروف بھی ہوتا ہے وہاں کھڑے رہتے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا جب تم میں کوئی کسی کے گھر جائے تو تین بار دستک دے یا آواز دے اگر جواب نہ آئے تو بغیر کسی ناگواری کے واپس آجائے اب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی وہی کیفیت تھی۔

مجالس حدیث میں حاضری کے آداب

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے باوجود شان بے نیازی کے اپنے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت وحرمت، تعظیم وتکریم اور آداب واحترام کو دین میں قانونی، شرعی اور اساسی حیثیت دیتے ہوئے خود اپنی بارگاہ سے براہ راست اس کی تعلیم اور تلقین کی ابتدا فرمائی تاکہ ہر مطیع ومتبع اور اپنا وبیگانہ یہ بات جان لے کہ یہ تقاضا آنے والے کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بھیجنے والے کی طرف سے ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن وحدیث میں جابجا ایسی آیات اور مضامین موجود ہیں جو اس کی صداقت کے لیے بطور شہادت پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ

لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ (الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے اونچا نہ کرو اور انہیں اس طرح مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس بات کی خبر بھی نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

واللہ لا ارفع صوتی الا کأخیی السرار[1]

ترجمہ: اللہ کی قسم میں اپنی آواز کو سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان آیات کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ایسے بات کرتے تھے کہ آواز کی پستی کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوچھنا پڑتا (کہ کیا کہہ رہے ہو) صحابہ کرام کے کمال ادب اور والہانہ جذبہ احترام سے خوش ہو کر رب العالمین نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ (الحجرات:3)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پست رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوی کے لیے پرکھ لیا ہے۔

تفسیری خلاصہ

یہ ہے کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے آداب کو ملحوظ رکھنے والوں کے لیے اللہ نے اپنی رضا کی سند نازل فرمائی اور انہیں بشارت دی کہ ادب والوں کے

ا۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن

دلوں کو اللہ ہر قسم کے کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک کر کے اخلاص کا مخزن بنا دیتا ہے اور ان کے قلوب کو تقوی کے لیے وسیع اور فراخ کر دیتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کے عزت و احترام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کی آواز، صدا اور لہجے کے حوالے سے مطلوب آداب کا لحاظ رکھنا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

سیرت وشمائل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چیخ کر بولنا اور بے جا آواز بلند کرنا پسند نہ تھا اگر چہ وہ ذکر اللہ کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایک غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرام نے جب بہت بلند آواز سے اللہ اکبر کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا[1]

ترجمہ: اے لوگوں! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرے اور غائب کا ذکر نہیں کر رہے ہو۔ بلکہ تم توسمیع وقریب کو پکار رہے ہو۔

حضرت حفیظ تائب مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

ذہن میں رکھ آیۂ لا ترفعوا اصواتکم
بات کر طبع پیمبر کی نزاکت دیکھ کر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرم نبوی میں دو آدمیوں کو بلند آواز سے بولتے سنا تو ان سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تم کہاں ہو؟ پھر پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا ہم طائف کے رہنے والے تو آپ نے فرمایا: اگر

1۔ صحیح بخاری: دعوات: رقم: 5905، بخاری: المغازی: رقم: 3883، صحیح مسلم: الذکر والدعا: رقم: 4873

تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں مار مار کر زخمی کر دیتا۔[1]

الغرض اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج مبارک اور آپ کی پسند ناپسند پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال و احوال کو اتباع و اطاعت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہے۔ کیونکہ

نہ اوہ شکل ویکھے ناں اوہ عقل ویکھے
نی اوہ ویکھدا فرمانبرداریاں نوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی قدر ہے:

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہٗ تبعًا لما جئتُ به

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بارگاہ رسالت مآب میں طریقہ حاضری

آداب مجالس الحدیث کو صحیح طور پر بجالانے کے لیے ضروری ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے طرز عمل اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کی حاضری کے انداز پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت فرمودہ اس گروہ قدسی صفات کے احوال سے رہنمائی مل سکے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وما کان احد احب الی من رسول الله ﷺ ولا اجل فی عینی منه وما کنت اطیق ان املا عینی منه[2]

1۔ تفسیر ابن کثیر، الحجرات: 2

2۔ الشفاء بتعریف المصطفیٰ 30/2

ترجمہ: میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نظروں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی معزز تھا اور نہ ہی کوئی مجھے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنکھ بھر کے دیکھنے کا حوصلہ ہوا تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے صحابہ، مہاجرین و انصار کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود ہوتے تو صحابہ کرام میں (غلبہ ادب) سے باعث کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا سوائے ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے کہ بس یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تبسم سے دیکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کی طرف تبسم فرماتے ہوئے دیکھتے۔[1]

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولہ کانما علی رؤسھم الطیر[2]

ترجمہ: میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہ آپ کے گرد یوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یقرعون بابہ بالاظافر

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ آپ کے دروازوں پر ناخنوں سے دستک دیا کرتے تھے۔

۱- سنن ترمذی: 208/2

۲- الشفاء: 31/2

صحابہ کرام پر عظمت وجلالت ورسالت کا ایسا غلبہ رہا کرتا تھا کہ بعض اوقات کوئی بات پوچھنا ہوتی تو جھجک اور ہیبت کے باعث طویل مدت گزر جاتی اور بات نہ ہو پاتی تھی۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار میں چاہتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی معاملے میں سوال کروں لیکن غلبہ ہیبت کے باعث میں نے کئی سال اسے موخر کئے رکھا۔[1]

سلف صالحین کا طریقہ اور ائمہ متقدمین کا شیوۂ ادب

حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کے احترام وعظمت کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے ایک فصل قائم کی ہے۔
حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جان لو! حرمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی تعظیم وتوقیر کا پاس کرنا بعد از وصال بھی ویسے ہی لازمی ہے جیسا کہ عین حیات ظاہری میں تھا۔ یہ ادب آپ کے ذکر خیر کے وقت، آپ کی حدیث اور سنت کے بیان کے وقت اور آپ کے نام نامی اور سیرے طیبہ کی سماعت کے وقت اور آپ کی آل وعترت کے معاملے میں اور آپ کے صحابہ اہل بیت کی تعظیم کے حوالے سے ملحوظ رکھنا چاہیے۔
حضرت ابو ابراہیم التجیبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہر مومن پر واجب ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرے یا اس کے سامنے آپکا تذکرہ خیر ہوتو وہ خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرے اور ادب بجالائے، حرکات سے باز رہے اور آپ کی ہیبت وجلال کو ایسے اپنے اوپر طاری کرے جیسا کہ اگر وہ "بنفسہ" آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو کرتا اور ایسا ادب اختیار کرے جیسا کہ اللہ نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔ قاضی

1۔ الشفاء:32/2

عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں : حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے سامنے جب نبی کریم ﷺ کا ذکر پاک آتا تو ان کا رنگ فق ہو جاتا اور گلا رندھ جاتا یہاں تک کہ ہم نشینوں پر یہ گراں گزرنے لگا، ایک دن جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جو میں نے دیکھا ہے اگر تم دیکھتے تو مجھ پر انکار نہ کرتے۔ میں نے محمد بن المنکدر کو دیکھا اور وہ قراء کے سردار تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہم نے ان سے کسی حدیث کے بارے میں پوچھا ہو اور وہ رو نہ پڑے ہوں۔ یہاں تک کہ ہمیں ان پر رحم آتا تھا اور یقیناً میں نے جعفر بن محمد کو دیکھا اور وہ نہایت ہی خوش طبع اور خندہ رو تھے، لیکن جب ان کے سامنے تذکرہ نبوی ہوتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے تو ان کا رنگ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور ان کی زبان ہیبت نبوی کے باعث منہ کے اندر خشک ہو گئی ہے۔ میں عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو وہ ایسے روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے اور میں نے حضرت ظنون مصری علیہ الرحمہ کو دیکھا وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش رہنے والے اور مجلسی آدمی تھے۔ جب ان کے سامنے ذکر حبیب چھڑتا تھا تو ایسے ہو جاتے جیسے نہ تم انہیں جانتے ہو نہ وہ تمہیں جانتے ہیں۔ میں حضرت صفوان بن سلیم علیہ الرحمہ کے ہاں گیا وہ کثرت سے عبادت و ریاضت کرنے والوں میں سے تھے۔ جب ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا تو وہ روتے اور اس تسلسل سے روتے کہ اہل مجلس انہیں اس حال میں چھوڑ کر ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔

جب لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ آنے لگے۔ تو ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کسی کو مستملی بنالیں کہ وہ لوگوں کو حدیث سنایا کرے (مستملی وہ ہوتا ہے

کہ شیخ سے حدیث سن کر لوگوں کو بلند آواز سے پڑھ کر سنا دے) تو آپ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

(الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو۔ سو آپ کی حرمت حیات و وفات دونوں صورتوں میں برابر ہے۔[1]

حضرت امام عبدالرحمن بن مھدی علیہ الرحمہ جب حدیث کی قرات فرماتے تو شاگردوں کو خاموشی کا حکم دیتے تھے اور کہتے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

(الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو۔

اس سے استدلال کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پڑھتے وقت خاموشی ویسے بھی لازم ہے جیسا کہ (براہ راست) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے وقت واجب ہے۔ یہ ہمارے اسلاف و صالحین کا طرز عمل تھا اور ہمارے ائمہ متقدمین کا شیوہ ادب تھا، آداب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے تابعین، اتباع تابعین، اور ائمہ متقدمین نے بھی کمال درجے کے نمونے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔

مجالس حدیث بالمعنیٰ مجالس نبوی ہیں

مجالس الحدیث بالمعنیٰ مجالس نبوی ہی ہیں اور اپنی نسبت کے اعتبار سے اسی احترام اور تعظیم کی متقاضی ہیں جیسا کہ اسلاف کی تعلیمات سے واضح اور ائمہ کے

[1] کتاب الشفاء:403

احوال سے روشن ہے۔ مجالس الحدیث میں حاضری دینے والوں کو چاہیے کہ لباس، بدن اور قلب وروح کی طہارت کا خاص خیال رکھے، کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرات وسماعت کے اوقات میں ظاہری و باطنی نفاست و لطافت کا اہتمام کرنا از حد ضروری ہے۔

اس سلسلے میں لا پرواہی یا کوتاہی بعض اوقات کسی بڑی دینی و ایمانی محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ البتہ دکھاوا، نمائش اور بناوٹ مقصود نہ ہو بلکہ خالصتاً بوجہ اللہ ہو۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضرت احمد بن فضلویہ علیہ الرحمہ بہت بڑے زاہد اور مجاہد تیر انداز تھے وہ فرماتے ہیں۔ میں نے کبھی کمان کو اپنے ہاتھ سے بے وضو نہیں چھوا، جب سے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمان اپنے دست مبارک میں پکڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بظاہر ادنیٰ سی کوتائی بھی برداشت نہیں کرتا۔ اس لیے ہمیں اپنے فہم ناقص کے مطابق اظہار عشق کرنے کی بجائے سرکار ختم مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال وعظمت کو ہیبت زدہ دل کی قوت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبت کا کوئی اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کے منافی نہیں ہونا چاہیے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان روح وقلب کو ہوش وحواس سے بیگانہ نہیں کرتا بلکہ انہیں وہ بیداری عطا فرماتا ہے کہ جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔

آداب مجالس حدیث برائے حاضرین وسامعین

خوشبو، طہارت، مسواک، اچھی وضع، سب سے پہلے اپنے دلوں میں یہ یقین پیدا کریں کہ ہم ایک عظیم دینی سعادت حاصل کرنے آئے ہیں کوئی بھی دینی سعادت ادب اور ہیبت کو غالب رکھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔اس لیے مجالس حدیث میں شرکت کی خاطر گھر سے نکلتے ہی خود کو صلواۃ وسلام میں مشغول کردیں۔ اور باوضو رہنے کا اہتمام کریں۔ یہ بات ہر حال میں مدنظر رکھیں کہ ہم رب ذوالجلال کی حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء میں شریک ہیں۔جس حلیے اور وضع قطع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہونے کی ہمت نہیں کی جاسکتی، اس حلیے اور اس وضع قطع کے ساتھ مجالس الحدیث میں آنا سخت بے برکتی اور جسارت کی بات ہے اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے، بہت چھوٹے بچوں کو ساتھ لے جانے سے مجلس کے آداب متاثر ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ جو یکسوئی واجب ہے اس میں بھی خرابی پیدا ہوتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے وقت ادھر ادھر متوجہ ہونا بڑی بے ادبی اور محرومی کی بات ہے۔

اس طرح نعرے لگانے کی رسم بھی دو اسباب کی بناء پر قابل ترک ہے پہلا سبب یہ ہے اس کی وجہ سے مجلس میں چھائی ہوئی تعظیم اور ہیبت کی فضا متاثر ہوتی ہے اور دوسرے یہ روافض اور بازاری لوگوں کا معروف شعار ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے بھی صحابہ کرام کو روک دیا تھا۔

حاضرین کے لیے ضروری ہے کہ یکسوئی کے ساتھ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سماعت کریں۔مختصر یہ کہ محبت اور اتباع کے عزم کے ساتھ ایسی مجالس میں حاضری دینی چاہیئے اور ان کو دوسری عام مجالس پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

پیش نظر ارمغان عقیدت بعنوان ''مجالس الحدیث'' بارہ دروس حدیث کا مجموعہ ہے، جس میں احادیث صحیحہ کی آسان اور جامع شرح پیش کرنے کی عاجزانہ سعی کی گئی ہے، تاکہ فیوضات حدیث کے طلبگار اپنی علمی، فکری اور روحانی پیاس کسی حد تک بجھا

سکیں۔کتاب کی طباعت کا شرف دارالاخلاص لاہور کے حصہ میں آیا ہے، ماہانہ دروس حدیث کی تحقیق وتدوین کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، خدا کرے یہ معطر ومعنبر مجالس جنت کے باغات بن کر مہکتی رہیں اور اہل نسبت ومحبت ان عطریات سے اپنے قلوب و اذہان کو مزید مشکبار اور تابناک بناتے رہیں۔حق تعالیٰ شانہ وابستگان دارالاخلاص کے علم وعمل اور اخلاص میں مزید اضافہ اور برکت عطا فرمائے۔(آمین)

خاک راہ اہل اخلاص

محمد شہزاد مجددی

۷ رجب المرجب 1435ھ/مئی 2014ء



درس حدیث نمبر: 1

(حدیث نیت)

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے

حدیث نیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

حدثنا الحمیدی عبداللہ بن الزبیر قال: حدثنا سفیان قال: حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال: اخبرنی محمد بن ابراھیم التیمی: انہ سمع علقمۃ بن وقاص اللیثی یقول: سمعتُ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا، اَوْ اِلَی امْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا، فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ[1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (جب کہ وہ منبر پر تھے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اور ہر کسی

1۔ بخاری، کتاب بدء الوحی، باب: کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی: فضائل الجہاد، رقم: 1518: فتح الباری 1/1 عون المعبود 355/2 الجامع الصغیر 20/1 مجمع الزوائد 1/6 سبل السلام 214/4 مختصر المقاصد الحسنۃ: ص 236 رقم: 1154

کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس کسی نے دنیا کی طرف حصول دنیا کے لیے ہجرت کی یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار ہو گی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہو گی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمہ نے صحیح بخاری میں اس حدیث کو سات جگہ درج کیا ہے، سب سے پہلے آغاز کتاب بدء الوحی میں پھر کتاب الایمان، کتاب النکاح، کتاب العتق، کتاب الھجر ۃ، ترک الحیل اور پھر کتاب النذر میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے الفاظ صحیح بخاری میں دو طرح آئے ہیں:

1- انما الاعمال بالنیات

2- انما الاعمال بالنیۃ

شرح حدیث

اس حدیث کا مرتبہ اپنے مندرجات و معانی و احکام کے اعتبار سے بھی نہایت بلند ہے، جبکہ اس کی صحت پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے، اور فقہاء کرام نے اسے قواعد ایمان اور دینی اصولوں کے لحاظ سے بنیادی ستون اور اہم رکن کا درجہ دیا ہے۔

ائمہ حدیث و فقہ نے جہاں اس حدیث شریف کی روشنی میں احکام شرعیہ و مسائل دینیہ کا استنباط و استخراج کیا ہے، وہاں حضرات صوفیہ کرام نے اصلاح احوال اور تزکیہ و تصفیہ کے حوالے سے بھی اس حدیث سے رہنما اصول اخذ کیے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں نیت کی صحت اور درستی کس قدر ضروری ہے اور قبولیت اعمال میں اصلاح نیت کا کتنا دخل ہے اس کا ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے اس حدیث پاک کی تفہیم بے حد ضروری ہے۔

ائمہ حدیث نے اپنی کتب کے آغاز میں اس حدیث کو درج کرنے کی حکمت بھی یہی بیان کی ہے، تاکہ دینی خدمت سرانجام دیتے ہوئے رضائے الٰہی کا حصول

اور اخلاص فی العمل کا جذبہ پیش نظر رہے، چنانچہ امام ابوسعید عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ سے منقول ہے: جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے تو اس کی ابتداء اس حدیث سے کرے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان

یہ حدیث فقہ کے ستر بابوں میں جاری ہوسکتی ہے نیز فرماتے ہیں: اس حدیث میں ایک تہائی علم داخل ہے۔ امام حافظ ابوبکر البیہقی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''مختصر السنن'' میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے اسی قول کا مطلب لکھا ہے فرماتے ہیں: بندے کے کاموں کا مدار دل، زبان اور نیت پر ہے لہٰذا نیت ان تینوں میں سے ایک قسم ہوئی اور یہ قسم دونوں سے زیادہ بھاری ہے، اس لیے کہ یہ مستقل عبادت ہے دوسری قسموں میں ایسا نہیں ہے کیونکہ قول وعمل میں ریا کا دھوکہ ہوسکتا ہے اور نیت میں ریا نہیں ہے۔

نیت کے لغوی معنیٰ

امام ابوزکریا محی الدین النووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اس حدیث کے معنی ہوں گے کہ اعمال شرعیہ نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے جس شخص نے اپنی ہجرت سے رضائے الٰہی کا ارادہ کیا اور جس نے اپنی ہجرت سے دنیا کا ارادہ کیا تو اس کے لیے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عبادات مثلاً وضو، غسل، تیمم، نماز، زکواۃ، روزہ، اعتکاف، حج وغیرہ سب میں نیت شرط ہے۔[1]

اہل لغت نے نیت کا معنی قصد بیان کیا ہے، جبکہ اصطلاح شرح میں کسی عمل کو اخلاص قلبی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے سرانجام دینا حسن نیت کہلاتا ہے۔ امام ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، مسند احمد اور سنن نسائی میں

1۔ بستان العارفین: 30/1

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من غزا فی سبیل اللہ ولم ینو الا عقالا فلہ ما نوی[1]

ترجمہ: جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اونٹ کی رسی کے حصول کا ارادہ کیا تو اس کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ یعنی اجر و ثواب سے ایسا شخص محروم رہتا ہے۔

ابن ماجہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یحشر الناس علی نیاتھم

ترجمہ: لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے:

لا عمل لمن لا نیۃ لہ ولا اجر لمن لا حسبۃ لہ

ترجمہ: جس کی نیت نہیں اس کا عمل نہیں اور اخلاص کے بغیر عمل کا اجر نہیں۔[2]

نیت کی فضیلت

علامہ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ اس کی شرح میں مزید لکھتے ہیں: اعمال کی اصلاح اور قبولیت کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ اول یہ کہ عمل اپنے ظاہر میں سنت کے مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ عمل اپنے باطنی پہلو سے رضائے الٰہی کے حصول پر مبنی ہو۔

سیدنا فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ اس آیۂ کریمہ: **لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** (الملک: 2) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **اخلصہ و اصوبہ** ترجمہ (تا کہ اللہ

ا۔ سنن نسائی: کتاب الجہاد، باب من غزا فی سبیل اللہ

۲۔ جامع العلوم والحکم: ص، 20

تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون خالص اور درست عمل کرتا ہے) پھر فرمایا: اگر عمل خالص ہو لیکن درست نہ ہو تو بھی قبول نہیں ہوتا ہے اور اگر عمل درست ہو اور خالص نہ ہو تو بھی قابل قبول نہیں ہے یہاں تک کہ خالص اور درست ہو جائے، اور فرمایا: خالص تب ہو گا جب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گا اور درست اس وقت ہو گا جب عین سنت کے مطابق ہو گا۔

حافظ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضرت سیدنا فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ کا یہ قول اس ارشاد ربانی پر دلالت کرتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صٰلِحاً وَّلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَداً (الکھف:110)

ترجمہ: جو بھی اپنے رب سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے وہ نیک اعمال بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں: مراتب عالیہ کا مدار صوم وصلواۃ پر نہیں بلکہ ارادوں پر ہے۔ نیت کی اہمیت کا مزید اندازہ اس حدیث نبوی سے بھی ہوتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نيّت المؤمن خيرٌ من عمله

ترجمہ: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

کیونکہ نیک ارادہ کرتے ہی اس کا اجر وثواب نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور حسن نیت کا ثواب فوری طور پر اسے مل جاتا ہے۔

حضرات محدثین کی تصریحات کے مطابق ضعف اسناد کے باوجود تعدد طرق کی وجہ سے یہ روایت درجہ حسن کی ہے۔ حسن نیت کے ثمرات وفوائد کے حوالے سے ائمہ تصوف وحدیث کی طرف رجوع کیا جائے تو قابل قدر رہنمائی ملتی ہے۔

چنانچہ امام ابوزکریا محی الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے: مجھے پسند ہے کہ لوگ اس کی اہمیت کو سمجھ لیں اور میری طرف کوئی بات منسوب نہ ہو۔ نیز امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: میں نے کسی سے مناظرہ غلبہ حاصل کرنے کے لیےنہیں کیا بلکہ مجھے محبوب ہے کہ مناظرہ کے وقت فریق ثانی کی طرف سے حق ظاہر ہو جائے، نیز آپ ہی سے منقول ہے کہ میں نے جن سے بھی گفتگو کی یہی پسند کیا کہ فریق ثانی کو ہدایت و توفیق دی جائے اور اس کی مدد کی جائے اور اللہ کی جانب سے اس کی حفاظت و نگرانی ہو۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ جو کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے شاگرد ہیں۔ ان سے منقول ہے۔ اپنے علم سے ذات حق کی نیت کرو میں جس مجلس میں تواضع کی نیت سے بیٹھا تو اٹھنے سے پیشتر ہی لوگوں پر بلند رہا اور جس مجلس میں بلندی کی خاطر بیٹھا اٹھنے سے پیشتر ہی رسوا ہوا۔

نیت کا ثمرہ

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ کتب الحسنات والسیئات فمن ھم لحسنۃ فلم یعملھا کتبھا اللہ عندہ حسنۃ کاملۃ و ان ھم بھا جعلھا کتبھا اللہ عشر حسنات الی سبع مائۃ ضعیف الی اضعاف کثیرۃ۔[1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ دیا ہے جس شخص نے نیکی کا

ا۔ صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب من ھم بحسنۃ اوسیئۃ: 960/2

ارادہ کیا اور پھر اس کو نہ کیا اللہ تعالیٰ (اس ارادہ کے بدلے) کامل نیکی اپنے پاس لکھ لیتا ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا پھر اس کو کر بھی دیا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دس نیکیاں لکھ لیتا ہے سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے بارے میں جو خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوگا ارشاد فرمایا:

یخسف باولھم واٰخرھم فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا یا رسول اللہ ﷺ کیف یخسف باولھم و اٰخرھم وفیھم اشراف ومن لیس منھم فقال یخسف باولھم ثم یبعثون علی نیاتھم۔[1]

ترجمہ: ان کا اگلا اور پچھلا حصہ دھنسا دیا جائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا اگلا اور پچھلا حصہ کیونکر دھنسا دیا جائے گا جب کہ ان میں دیندار بھی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جو اپنی مرضی سے نہیں آئے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت تو پورا لشکر دھنسا دیا جائے گا لیکن پھر اپنی نیتوں کے موافق اٹھائے جائیں گے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جھاد و نیۃ[2]

ترجمہ: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء نے حدیث "لا ھجرۃ بعد الفتح" کے مختلف معنی بتائے ہیں۔

۱۔ ریاض الصالحین کتاب المامورات، باب الاخلاص: 13/1

۲۔ صحیح بخاری: کتاب الجہاد، باب فضل الجہاد والسیر: 390/1

بعضوں نے کہا اب مکہ سے ہجرت باقی نہیں رہی اس لئے کہ وہ دارالاسلام ہو گیا ہے، بعض نے کہا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی پہلی سی فضیلت باقی نہیں رہی لیکن دارالکفر سے ہجرت اب بھی واجب ہے، جب کہ ہجرت کی قدرت ہو اور دارالکفر میں دین اسلام کے اظہار پر قدرت نہ رہے تو پھر دارالکفر سے ہجرت مستحب ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابومیسرہ بن عمر بن شرجیل تابعی کوفی ہمدانی رضی اللہ عنہ (میم کے سکون اور دال مہملہ کے ساتھ) سے منقول ہے: کہ جب وہ اپنا روزینہ (یعنی اجرت) لیتے تو اس میں سے کچھ صدقہ کر دیتے جب گھر پہنچتے شمار کرتے تو پورا پاتے انہوں نے اپنے بھتیجے سے کہا تم ایسا نہیں کرتے، بھتیجے نے جواب دیا اگر ہمارے روزینہ (یعنی اجرت) میں کمی نہ ہو تو ہم بھی ایسا کریں۔ ابومیسرہ نے کہا میں نے تو اپنے پروردگار سے یہ شرط نہیں لگائی۔

دنیا و آخرت کی بھلائی پانچ چیزوں میں ہے

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: دنیا و آخرت کی بھلائی پانچ باتوں میں ہے نفس کا غنی ہونا، تکلیف دہی سے رکنا، حلال روزی، لباس، تقویٰ اور ہر حال میں اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھنا۔

سید محترم حماد بن سلمہ علیہ الرحمہ سے منقول ہے اور آپ کا شمار ابدال میں ہے

جس شخص نے حدیث غیر اللہ کے لیے طلب کی حدیث نے اس کے ساتھ مکر کیا۔[1]

سید محترم احمد بن ابی حواری نے اپنی تصنیف کتاب الزہد میں فرمایا: اور میں ان شاء اللہ اس کتاب سے چند نفیس باتیں نقل کروں گا ابھی تک مجھے اس کتاب کی سند نہیں مل سکی لیکن میرے پاس اس تصنیف کا عمدہ محقق نسخہ موجود ہے۔

بعض اہل علم وخبر نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ (امام) دارقطنی کے قلم سے ہے ہم سے اسحق بن خلف نے بواسطہ حفص بن غیاث نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن الاسود بغیر نیت کے کھانا بھی نہیں کھاتے تھے (فرماتے ہیں) میں نے اسحق سے پوچھا کھانے میں کیا نیت؟ انہوں نے فرمایا کھانا کھا کر نماز پڑھتے، جب نماز سے تھک جاتے تو مختصر پڑھتے تاکہ نشاط رہے جب مختصر پڑھتے تو کمزور پڑ جاتے، لہذا کھانا کھاتے تاکہ نماز پر قوت رہے تو ان کا کھانا اور نہ کھانا نماز کے لیے ہوتا۔ **(یخفّف)** کے معنی نشاط، سہولت اور درازی کے ہیں (حواری) ر کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے، فتحہ کے ساتھ کئی مرتبہ میں نے اپنے شیخ حافظ ابی البقاء سے سنا ہے وہ اس لغت کو ثقہ لوگوں سے نقل کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز احمد بن ابی حواری ابوسلیمان دارانی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے اللہ سے اپنے دلوں کے ساتھ معاملہ کرو، یعنی اپنے قلوب کو پاک وصاف اور مہذب بناؤ، اور اعمال ظاہری میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑو (درانی) دوسرے الف کے

۱۔ علم کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے اور حدیث جو خلاصہ علم ہے اس کو اچک لینے والا شیر کہا گیا ہے اور اس شیر پر غلبہ پانے کی اللہ کی مدد اور تقوی وحسن نیت کے علاوہ کوئی سبیل نہیں ہے، اسی صورت میں یہ زیر نگیں ہوسکتا ہے اور اس شیر پر غلبہ پانے کے بعد بھی ہوشیاری وبیداری کی ضرورت ہے اس لیے کہ ذرا غفلت ہوئی اور مارے گئے۔ یہی مطلب ہے حماد بن سلمہ کے قول کا کہ حدیث جب غیر اللہ کے لیے طلب کی جائے تو وہ اپنے ساتھی کے ساتھ مکر کرتی ہے۔ ۱۲ منہ

بعد نون کے ساتھ ہے۔ بعضوں نے بجائے نون کے ہمزہ کے ساتھ کہا، نون کے ساتھ زیادہ مشہور اور مستعمل ہے اور ہمزہ کے ساتھ اصل سے زیادہ قریب ہے یہ (دارنا) کی طرف منسوب ہے جو دمشق کے قریب ایک بڑی اور نفیس بستی ہے۔

ابو سلیمان بڑے اولیاء اللہ میں سے صاحب کرامات وحال اور صاحب حکمت تھے آپ کا نام عبدالرحمن بن احمد بن عطیہ ہے میں ان شاء اللہ عنقریب ان کی چند نادر باتیں ذکر کروں گا اور وہ قرب و جوار دمشق کے متاخرین میں سے ہیں فرماتے ہیں: کسی نے صرف نماز و روزہ کی زیادتی سے اس چیز کو نہیں پایا جو ان کے پاس ہے مگر سخاوت نفس، سلامت طبع اور امت کی نصیحت کے ذریعہ سے۔

ہمارے امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: جس شخص کی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ بھلائی کے ساتھ اس کا فیصلہ کرے، اسے چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھے۔

محمد بن ادریس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے ابو قبیصہ سے سنا کہ انہوں نے سفیان ثوری علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔ ترجمہ: میں نے اپنے رب کی طرف (کفاحا) بغیر حجاب کے نظر کی تو فرمایا اے ابن سعید تجھے میری رضا مبارک ہو۔ بے شک (اظلم الدجا) رات کی اندھیریوں میں شوق کے آنسوؤں اور (عمید) دل مشتاق کے ساتھ بہت زیادہ کھڑا ہونے والا تھا۔

تیرے سامنے ہے جونسا محل چاہے پسند کر لے، اور میری ملاقات کے شرف سے تو لطف اندوز ہو کیونکہ میں بھی تجھ سے دور نہیں ہوں۔

یحییٰ بن معاذ رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کتنے ہی استغفار کرنے والے ہیں جن پر غصہ ہے اور کتنے خاموش ہیں جن پر رحم کیا جا رہا ہے، یہ اللہ سے استغفار کر رہا

ہے لیکن دل بدکار ہے، اور وہ چپ ہے لیکن دل ذاکر ہے۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگوں کے سر پر اعمال نامے پیش ہوں گے اور اللہ عزوجل کے سامنے انہیں کھولا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے ان کے کچھ اعمال رد کر دو اور کچھ اعمال رکھ لو، تو ملائکہ عرض کریں گے تیری عزت کی قسم، اس اعمال نامے میں ہم نے خیر ہی خیر دیکھی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس بندے کو معلوم ہے کہ یہ میرے علاوہ کسی اور کے لیے کئے گئے تھے اور آج میں صرف ان اعمال کو قبول کروں گا جو صرف میری رضا کے لیے کیے گئے تھے۔[2]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کی قبولیت کا دارومدار بھی حسن نیت پر ہے اور حسن نیت کا مطلب ہے کہ نیک عمل کرنے والا اپنے مالک ومولا کی رضا کا ارادہ کرے اور اس کے سوا کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ کرے۔ چنانچہ حضرت ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہٗ کی روایت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں بہترین شریک ہوں تو جس نے میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک ٹھہرایا تو وہ عمل میرے شریک کے لیے ہوگا۔ اے لوگو! اپنے اعمال کو اللہ کے لیے خالص رکھو تو یقیناً اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کے

۱- بستان العارفین، ص 76-70

۲- سنن دارقطنی: 1/151

امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (350/10) میں نقل کر کے کہا، اسے طبرانی نے ''اوسط'' میں دو اسناد سے روایت کیا ہے جس میں سے ایک کے رواۃ صحیح کے رجال ہیں۔ (رواہ البزار)

لیے کیا گیا ہو، اور یوں نہ کہا کرو کہ یہ اللہ اور اقارب کے لیے ہے ورنہ اس میں سے اللہ کے لیے کچھ نہیں رہے گا۔ اور یوں نہ کہو کہ یہ اللہ کے لیے اور تم لوگوں کی خاطر ہے ورنہ وہ تمہاری خاطر ہی رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں رہے گا۔ اس حدیث میں بندگان خدا کے اعمال کے سلسلے میں غیرت الہیہ کا شان دار اظہار ہوا ہے لہٰذا اپنے ارادے اور عمل کی تطہیر کے لیے صدق دل سے اہتمام کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

التطیھر خیر من عمل البر دون تطھیر

ترجمہ: تزکیہ نفس کے بغیر کیے جانے والے نیک عمل سے تزکیہ (کی کوشش کرتے رہنا) بہتر ہے۔

یحیٰ بن ابی کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نیت سیکھو! یہ عمل سے زیادہ رسائی رکھتی ہے۔

حضرت داود طائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے خیر کو حسن نیت میں مندرج پایا ہے، یہ تمہیں بھلائی کے ساتھ کفایت کرتی ہے اگر چہ تم اس پر عمل نہ بھی کرسکو۔

آپ مزید فرماتے ہیں: نیکی صاحب تقویٰ کے ارادے کا نام ہے اگر چہ اس کے وجود کے تمام اعضاء محبت دنیا سے وابستہ ہوں تو بھی اس کی نیت ایک دن اسے اس کی اصل کی طرف لوٹا دے گی۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے فرمایا: میں نے کسی سخت چیز کا علاج نہیں کیا جو مجھ پر نیت سے زیادہ سخت ہو کیونکہ یہ اپنی حالت تبدیل کرتی رہتی ہے۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے: جو چاہے کہ اس کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچے تو وہ اپنی نیت کو اچھی رکھے کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے حسن نیت کی وجہ سے اجر عطا کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے لقمہ پر بھی اجر دیتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ سے مروی ہے فرمایا:

کبھی چھوٹا عمل حسن نیت سے بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی بڑا عمل نیت کی خرابی کی وجہ سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔[1]

نیت دل کا فعل ہے

علماء کرام نے جو نیت نماز کے بارے میں کہا ہے کہ دل سے نیت کرنے کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی درست ہے۔ حلانکہ زبان سے نیت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ وہ زبان سے بھی نیت کرتے تھے، بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر سمجھتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے۔ کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر ہی کفایت کر بیٹھیں گے اور دل سے غفلت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی بھی چھوٹ جائے گا اور اس سے نماز ہی فاسد جاتی ہے۔[2]

۱۔ جامع العلوم والحکم: ص 21، ط بیروت

۲۔ مکتوبات امام ربانی: دفتر اول، مکتوب: 186

اس سلسلہ میں مزید دیکھئے: حاشیہ الطحاوی، ص 120 طبع کراچی، الشرح الکبیر: 256/1 المنیۃ: ص 18.17 حلیۃ العلماء: 14.40/2 زاد المعاد 202.201/1 فتح القدیر: 227.226/1، البحر الرائق: 346/2,293/1 النکت: 173,172/1: وغیرہ ذالک۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا فرمان

شرک فی العبادات کے حوالے سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو فرضی طور پر گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور افطار کا خاص اہتمام کرتی ہیں یا مقرر کرتی ہیں وغیرہ یہ سب عبادت میں شرک ہے۔[1]

روزے کے علاوہ بھی عبادات میں اخلاص شرط ہے ورنہ ثواب تو کجا الٹا سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ (العیاذ باللہ عزوجل)

الغرض علم، عمل اور اخلاص کی جائی کے بغیر عمل قبولیت کے لائق نہیں ہو پاتا ہے۔

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

۱۔ دفتر سوم، مکتوبات: 41، مکتوبات امام ربانی: جلد سوم، 41۔

شفاءشریف

امام المحدثین حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شفاءشریف میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزے اور آپ کی توقیر و تعظیم موت کے بعد لازم ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں لازم تھی۔ اور یہ آپ کے ذکر آپ کی حدیث وسنت اور آپ کے نام و سیرت آپ کی آل وعترت وعزت اہل بیت وصحابہ کے ذکر کے وقت ہے۔

درس حدیث نمبر:2

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ
(دین خیر خواہی ہے)

دین خیرخواہی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن ابی رقیة تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: الدین النصیحة (ثلاثاً) قلنا لمن (یا رسول اللہ ﷺ) قال: للہ (عزوجل) ولکتابہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتھم[1]

ترجمہ: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین خیرخواہی (کا نام) ہے ہم نے عرض کیا حضور کس کی خیرخواہی کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی، کتاب اللہ کی، رسول اللہ کی ائمہ مسلمین کی، اور عام مسلمانوں کی۔

آج جو حدیث پاک ہمارے درس حدیث کا موضوع ہے اس حدیث کو بعض

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب، الدین النصیحة، رقم:82

ائمہ حدیث اور محدثین ''ربع الدّین'' کہتے ہیں۔

کل دین چار حدیثوں میں ہے

ایک تابعی بزرگ امام محمد بن اسلم الطوسی رحمہ اللہ کا فرمان ہے: اگر کل دین کو چار حدیثوں میں سمیٹا جائے تو چار حدیثیں ایسی ہیں جن کے اندر پورا دین سما جائے گا، ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ ان چار میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

امام نووی (علیہ الرحمہ) کے نزدیک کل یہ دین ہے

امام نووی امام ابوزکریا محی الدین شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ جو صحیح مسلم کے سب سے بڑے شارح ہیں، وہ فرماتے ہیں ''میری تحقیق کے مطابق جس کہنے والے نے یہ کہا کہ ''ربع الدّین'' یعنی، چوتھائی دین اس ایک حدیث میں موجود ہے۔ اس نے اس حدیث پر غور نہیں کیا وہ کہتے ہیں میری تحقیق یہ ہے کہ کل دین اس حدیث میں ہے۔ کل دین، سارا فلسفہ دین، سارا علم دین سارا مقصد شریعت وہ اس حدیث پاک میں بیان کر دیا گیا ہے اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "اوتیت جوامع الکلم" میرے پروردگار نے مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے، جوامع الکلم یعنی ایسا کلام معجز نظام جس کے اندر لفظ کم سے کم اور مفہوم زیادہ سے زیادہ۔ یہ معجزہ ہے کلام کا جو رب کریم نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

حلقۂ درس حدیث کا ادب

حدیث کا جو درس ہو رہا ہوتا ہے اس میں ذرا زیادہ آداب اور ڈسپلن چاہیے ہوتا ہے ورنہ بڑا خلل پڑتا ہے، یہی وجہ ہے ہمارے برصغیر پاک و ہند میں حدیث کا کلچر عام نہ ہو سکا، آج ہمارے درس کا موضوع بھی یہی ہے۔ اس حدیث کا تعارف عرض

کرر ہا ہوں اس میں اتنی جامعیت اور اتنا علم اور کس قدر وسعت ہے لیکن الفاظ صرف دو ہیں "الدین النصیحه" یہ جوامع الکلم میں سے ہے امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ کل دین ہے قیامت تک شارحین اس کو کھولتے رہیں اس کی شرح کرتے رہیں تو ان کے قلم تھک جائیں، دفتر ختم ہو جائیں گے لیکن اس کی شرح ختم نہیں ہوگی، یہ عظیم الشان حدیث پاک آج ہمارے درس کا موضوع ہے اس حدیث کو جس صحابی نے روایت کیا وہ بھی قابل ذکر ہیں۔

راوی حدیث کا تعارف

حضرت تمیم داری کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں، رقیہ ان کی صاحبزادی کا نام اور ان کی کنیت ہے، ان کا نام تمیم والد کا نام اوس تھا۔ الدّار ان کے قبیلے کا نام تھا، اسی نسبت سے داری کہلاتے ہیں۔ یہ صحابی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے بہت ہی ممتاز ہیں۔ مثلاً یہ راہب، پادری تھے بہت بڑے عیسائیت کے عالم بھی تھے، اور عابد بھی تھے، اس زمانے میں ان کا علم بھی مشہور تھا، اور زہد بھی مشہور تھا۔ سلیم الطبع ہونے کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مسند صحابیت پر فائز ہوئے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے تقریباً اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف ایک حدیث جو کہ مسلم میں مروی ہے جو آج کا موضوع ہے امام بخاری ان کی کوئی حدیث نہیں لائے اور امام مسلم علیہ الرحمہ ان کی صرف ایک یہی حدیث لائے ہیں اس لیے آج اس کی ایک محدثانہ حیثیت ہے جس کو علم حدیث کے طالب علم زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی کیا خصوصیت اور سبب ہے اسے پہلے برکت کیلئے بیان کر دیں۔ سب سے بڑی بات جو میرے مطالعہ میں آئی اس صحابی کے بارے میں

حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ کی زندگی کا حاصل میرے خیال میں ان کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت، اعزاز اور شرف ایمان لانے کے بعد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے لی ہوئی روایت کو منبر پر بیان کیا۔ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے کچھ واقعات و روایات بیان کیے جس میں دجال سے متعلق ایک روایت بڑی مفصل ہے ان سے سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سنائی۔

روایۃ الاکابر عن الاصاغر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی سے لے کر روایت کر رہے ہیں۔ اس کو محدثین کی زبان میں کہتے ہیں ''روایۃ الاکابر عن الاصاغر''۔ بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا جیسے امام بخاری امام ترمذی سے کوئی روایت سن کر صحیح بخاری میں روایت کریں۔ ترمذی شاگرد ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ استاد ہیں۔ لیکن اس میدان میں کبھی یہ کسی نے نہیں سوچا کہ میں بڑا ہوں میں اس چھوٹے یا junior سے کیوں روایت کروں، کیوں بات سنوں، یا اس کو بیان کر کے آگے ریکارڈ بناؤں۔ تو یہ بڑوں کی طرف سے منتقل ہوا چھوٹوں کو اور اس سے ایک فن بھی بنتا ہے کہ کبھی بیان کرنے والا یہ مت سوچے کہ میں تو بہت ہی بہترین مقام پر ہوں اور یہ چیز جو بیان کی جا رہی ہے اس کو بیان کرنے والا چھوٹے منصب کا آدمی ہے لہٰذا میں اس کو اہمیت نہ دوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سنت بنا دیا اس سنت کو آگے صحابہ کرام نے نبھایا اس طرح کہ بعض حدیث کے ذخیرے میں ایسی حدیثیں ہیں کہ صحابی تابعی سے روایت کرتا ہے یہ علم حدیث کا نادر ترین شعبہ ہے، وہ روایات جن کو صحابی تابعی سے سن کر روایت کرتا ہے یہ عام آدمی کے لیے بڑی عجیب بات ہے جو محدثین ہیں ان کے لیے یہ روٹین کی

چیز ہے وہ اس کو جانتے ہیں ایک عام آدمی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اوپر والا نیچے والے سے کیسے لے رہا ہے دین تو اوپر سے نیچے آیا ہے یہ کیسے ہوا کہ نیچے والے نے اوپر والے سے روایت لی اور پھر اوپر والے نے نیچے والے کو بیان کی۔ یہ ہمارے دین کا حسن وکمال ہے کہ کسی قوم یا مذہب کے پاس یہ فن موجود نہیں ہے ہمارا دین مروی بالاسناد ہے۔ یہ جو روایت میں بیان کر رہا ہوں اس کا ایک ایک راوی محفوظ ہے۔

فوائد الحدیث

اس حدیث کی سند میں امام مسلم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک درمیان میں ٹوٹل چار واسطے ہیں۔ انہیں ''رباعیات'' کہتے ہیں اس کو امام مسلم نے روایت کیا اس لیے کہا رواہٗ مسلم اس کے علاوہ اسے امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، امام دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے، امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، امام طبرانی نے معجم الکبیر میں، امام ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں، امام حمیدی نے اپنی مسند میں، امام ابن ابی عوانہ نے اپنی مسند میں، امام شافعی نے اپنی مسند میں، اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری شرح صحیح بخاری) میں روایت کیا ہے۔ فنی اعتبار سے یہ معتبر ترین حدیث ہے یہ چند علمی فوائد تھے جو میں نے عرض کیے ہیں۔ حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: (الدین النصیحه) gramatical حسن یہ ہے کہ دونوں لفظ معرف باللام ہیں ایک نکرہ ہوتا ہے اور ایک معرفہ ہوتا ہے عام وخاص عربی میں جب کسی حرف پر الف، لام آجائے تو اسے معرف باللام کہتے ہیں اس بات سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ہو رہی ہے کہ چوتھائی نہیں بلکہ کل دین ہی نصیحت ہے، خود متن سے اس بات کی

تائید ہو رہی ہے کہ جب دونوں لفظ معرّف باللام ہوں تو مطلب یہ ہے کہ صفت و موصوف ہم اعراب ہوتے ہیں اور یہ عربی میں حصر کا فائدہ دیتا ہے حصر کا مطلب ہے کہ سب اسی پر موقوف ہے اگر کوئی پورا دین چاہے تو اسے نصیحت کو اختیار کرنا ہوگا یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین بار ارشاد فرمائے "الدین النصیحه" دین نصیحت ہے، نصیحت کا اردو ترجمہ خیر خواہی ہے، یہ بات ذہن میں رکھ کر چلیں تو ساری بات سمجھ میں آئے گی۔ کسی کی بھلائی چاہنا صرف الفاظ سے نہیں بلکہ دل سے بھلائی چاہنا اس کی غیر موجودگی میں اس کے لیے تڑپنا، اس کے لیے فکر مند ہونا، اور فکر مند رہنا یہ سارے معانی عربی لغت میں ہیں۔

"قُلنا لِمَن" صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی کسے، کون کرے گا، کیسے کرے گا ذرا اس کو کھول دیں وضاحت فرمادیں، تو فرمایا: اللہ کے لیے نصیحت "وَلِكتابِه" اس کی کتاب کے لیے نصیحت "وَلِرَسُولِه" اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے نصیحت "وَلائمة" مسلمان حکمرانوں کے لیے نصیحت "وَعَامَتِهِمْ" اور تمام عوام الناس کے لیے نصیحت، اس کو کتاب الایمان میں لائے ہیں۔ کتاب الایمان سے ہر حدیث کی بڑی کتاب شروع ہوتی ہے ایمان کے متعلقات اس میں جمع کردیئے جاتے ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ اگرچہ یہ حدیث نہیں لائے۔ مگر باب اسی عنوان سے باندھتے ہیں اور اس باب کے تحت حدیث لائے۔ کتاب الایمان میں درج کرنے کا از خود یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس میں جو حدیثیں لائی گئی ہیں وہ سب ایمان سے متعلق ہیں جس کے پاس ایمان ہوگا اس کے پاس یہ وصف طبعاً، ذوقاً، فطرتاً ہوگا۔ ایمان کا خاصہ ہے کچھ چیزیں ایمان کے ساتھ خاص ہیں جہاں ایمان ہوگا وہاں یہ خیر خواہی ہوگی مختلف اسناد کے ساتھ لائے ہیں اس کی شرح میں امام ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ تبرکاً جو روایات لائے ہیں اور وہ حدیثیں جو اس کو مزید کھولتی ہیں، یعنی

"شرح الحدیث بالحدیث" حدیث کی شرح حدیث سے، جیسا کہ امام طبرانی علیہ الرحمہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَن لا یھتم بِأمْرِ المسلمین فَلَیْسَ مِنْھُمْ[1] جو شخص مسلمانوں کے احوال و معاملات سے وابستگی نہیں رکھتا وہ ان میں سے نہیں، یعنی جس بندہ کا جس گھر سے تعلق نہ ہو وہ وہاں مداخلت بھی نہیں کرتا جہاں کوئی تعلق ہو وہاں وہ اس کی خوشی و غمی میں شریک ہوتا ہے تو سادہ انداز میں بتا دیا جس شخص کو مسلمانوں کی خوشی و غمی، حالات سے کوئی تعلق و دلچسپی نہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ ان میں سے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَمَن لَّمْ یمس و یصبح ناصحاً لِلّٰه وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِمَامِهٖ وَلِعَامَةِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْھُمْ

جس شخص نے صبح و شام اس حال میں نہ کی اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے اس کی کتاب (قرآن) کے لیے اور حکمران وقت کے لیے اور عوام الناس مسلمانوں کے لیے وہ نصیحت کرنے والا نہ ہو، اخلاص رکھنے والا نہ ہو، ان کی خیر خواہی رکھنے والا نہ ہو، فرمایا "فَلَیْسَ مِنْھُمْ" وہ ان میں سے نہیں۔

حدیث قدسی کی شرح

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی لائے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنے پروردگار سے روایت کرتے ہیں اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں اس میں ضروری نہیں کہ درمیان میں جبرائیل ہوں، قرآن سارا بذریعہ جبرائیل نازل ہوا ہے لیکن حدیث قدسی آجائے تو بعض اوقات رب درمیان سے

1۔ جامع العلوم والحکم 86/1

جبرائیل امین کو بھی ہٹا دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

قال اللہ (عز وجل) احب ما تعبدنی بہ اَلنَّصح لی[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری بہترین عبادت جو میرے بندے نے کی وہ میری خاطر دوسرے کو نصیحت کرنا ہے۔

بے شمار حدیث اس میں سے چند منتخب روایات یہاں لائے ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جس کا ذکر میں نے کیا امام بخاری نے باب باندھا "الدین النصیحۃ" کا اس میں جو روایات لائے یہ بھی اسی کی شرح ہے اس کے راوی حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ ہیں، جریر بن عبداللہ پورا نام ہے یہ وہ خوش نصیب اور خوبصورت ترین صحابی تھے جن کے لیے ایک خصوصی اعزاز یہ تھا کہتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوا ہی نہیں کہ حضور ﷺ نے میری طرف دیکھا ہو اور مسکرائے نہ ہوں ان کے دو دانتوں کے درمیان ایک نور سا پھوٹتا رہتا تھا ایک شعاع سی پھوٹتی رہتی تھی اور حسن و جمال میں تو یہ یوسف ثانی تھے تو ہمارے آقا ﷺ تو خود حسن و جمال کا پیکر تھے اور خود فخر حسن تھے لہٰذا اپنے پروردگار کی سنت کی مطابق خود "جمیلٌ و یحب الجمال" تھے تو آپ ﷺ نے اس صحابی کو یہ خصوصی شرف بخشا ہوا تھا کہ زندگی بھر جب بھی ان ی طرف نظر فرمائی مسکرا کے فرمائی یہ کہتے ہیں کہ جب میں دائرہ اسلام میں داخل ہو کر بیعت کرنے کے لیے آیا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے میری بیعت کی شرط رکھی نماز قائم کرنی ہے روزہ رکھنا ہے زکواۃ ادا کرنی ہے اور ایک جو خاص شرط رکھی "وَالنصح لکل مسلم" ہر مسلمان کو نصیحت کرنی ہے اور صحابی بھی ایسی استقامت والے تھے

ا۔ الترغیب والترہیب: رقم: 2641

کہ زندگی بھر یہ صحابی بیعت کر لی آقا مجھے منظور ہے تو زندگی بھر اپنے اس عہد کو نبھاتے رہے جو بھی ملا ہے، کوئی گلی میں ملا، کوئی سودا لینے آیا دکان پر ملا، کسی سے سلام ہوا یا کسی جہاد میں چلے گے کسی رشتے دار کے گھر چلے گئے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہوا وعدہ پورا کیا۔ تادم آخر مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبے سے سرشار رہے اسی کیفیت میں یہ حدیث روایت کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے پوچھا کس کے لیے نصیحت کرنی ہے کس کو نصیحت کرنی ہے، کیوں نصیحت کرنی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ کے لیے اس کے بعد اس کی کتاب قرآن کے لیے پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پھر حکمران وقت کے لیے اور ہر عام مسلمان کے لیے سب اس دائرے میں آ گئے اس لیے اسکو کہا کہ پوارا ایک دین ہے تمام دینی امور اس میں آ گئے۔

مومن کا مومن پر حق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ایک روایت لائے ہیں:

حَقُّ الْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتٌّ[1]

ترجمہ: ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں۔

ان چھ میں سے ایک حق یہ ہے۔

وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ[2]

ترجمہ: اور جب تم سے کوئی نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرو۔

یہاں میں اس لفظ کو ذرا کھول دوں عربی میں نصح جو ہے عربی میں آپ سنتے ہیں نصح سے ناصح، نصیحت کرنے والا، ناصح عربی میں کہتے شہد کا چھتہ اتارنے والے کو، تو

۱۔ صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: 213/2

۲۔ الترغیب والترہیب: رقم: 2641

اس طرح شہد الگ اور موم الگ ہو گئی یعنی مکمل ٹرانسپیرینسی کے ساتھ جب شہد refine ہو کے اپنی اصل اور صاف ستھری شکل میں آ جاتا ہے تو اسے کہتے ہیں "نصحۃُ العسل" شہداب بالکل صاف ہو گیا اسی طرح ایک شخص اپنے پھٹے ہوئے کپڑے گھر میں لے کر سوئی دھاگہ سے پیوند لگا رہا ہو تو یہ بھی نصیحت ہے یہ چیزیں صحابہ پر بغیر کسی شرح کے اس لیے کھل جاتی تھیں کیونکہ وہ عرب تھے۔

اسی لیے ان کو سارے پہلو پتا چل جاتے تھے صرف ایک ہی لفظ میں اس لیے جوامع الکلم کو غیر عربی حل نہیں کر سکتا، سن سکتا ہے، ایمان لا سکتا ہے، سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ سکتا ہے ذوقاً یا فطری طور پر اس سے محظوظ ہونے کی صلاحیت اس میں نہیں ہے تاوقتیکہ عربی لغت (ڈکشنری) کھنگال نہ لے وہ اس کی نہ تو داد دے سکتا ہے نہ صحیح معنوں میں اس سے لذت اٹھا سکتا ہے۔

اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی مجھے یاد آتے ہیں فرماتے ہیں:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

آپ کے موجود بیان کو بیان کرنے کے لیے بڑی فصاحت و بلاغت چاہیے توفیق چاہیے یہ معجزہ کلام ہے قرآن جو ہے وہ خالق کائنات کا معجزہ ہے اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں ہے اس کا معجزہ ہوتا تو سمجھ آتا لیکن یہ وہ معجزہ ہے جو اللہ نے اپنے محبوب کی زبان پر رکھا، یعنی کلام بشر ہے قرآن بشر کا کلام نہیں ہے مگر "الدین النصیحۃ" یہ بشر کا کلام ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے بشر کا کلام ہو کر یہ معجزہ ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر کہا کرتے تھے حضور مائیں تو ہماری بھی عرب تھیں لیکن آپ زبان مبارک کھولتے ہیں، بیان فرماتے ہیں تو ایسے ایسے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ گویا اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ سنا ہے عربی ڈکشنری میں بھی وہ الفاظ نہیں

ہوتے جو آپ بولتے ہیں الفاظ عربی ہیں بولنا تو کجا ہم سوچنا چاہیں تو سوچ بھی نہیں سکتے اور آپ بڑی آسانی سے وہ بول رہے ہوتے ہیں بڑی فصاحت و بلاغت و سہولت سے بیان فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب میں فرماتے:

"اُوْتِیتُ جَوامِعَ الْکَلِم"

میں جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں میرے رب نے فضل و کرم فرمایا ہے، اس حوالے سے میں ایک اشارہ کردوں، جو ضروری ہے، وہ یہ کہ جوامع الکلم جس امت کے نبی کو عطا ہوئے ہوں اس امت کے پاس کیا طریقہ ہے ان جوامع الکلم سے فیض لینے اور استفادہ کرنے کا۔ جوامع الکلم کا مطلب کیا ہے؟ قرآن سارا کلام کے لحاظ سے معجزہ ہے الفاظ تھوڑے میں مفہوم زیادہ، مطلب یہ ہے اس کلام کو نازل کرنے والا یہ چاہتا ہے میں تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ بات پہنچاؤں اور جسے پہنچاؤں اس سے تقاضا یہ ہے کہ تو نے تھوڑے سے وقت میں اس پر عمل پیرا ہونا ہے یہ سارا اختصار کیوں ہے تمہارے پاس سب سے زیادہ اختصار ٹائم ہے پہلی امتوں میں صدیوں میں عمریں ہوتی تھیں، ہزار سال عمر والے بھی ہوتے تھے۔ ان کے پاس ٹائم بہت تھا، سوچنے سمجھنے کا غور و فکر کرنے کا اچھا کرنا ہے یا نہیں کرنا تمہیں اختصاراً سارا کچھ اس لیے دے دیا ہے اور پوری کوالٹی کے ساتھ دے دیا ہے بہترین حالت میں دے دیا ہے اس پر غور و فکر کرنے پر وقت ضائع نہ کرنا کہ کرنا ہے کہ نہیں کرنا اچھا کتنا کرنا ہے ریڈی ہر چیز دے دی ہے اور مختصر وقت میں دے دی یہ ہمارے دین کا مزاج ہے اس حدیث پاک کی برکت سے یہ عرض کر رہا ہوں یعنی قرآن و حدیث دونوں کا یہ مزاج ہے کہ لفظ تھوڑے اور مفہوم زیادہ سے زیادہ ہے تاکہ جو سنے وہ اس سے بھی تھوڑے وقت میں adopt کرے اور اس کو اپنا لے اور آگے چلے۔ هل من مزید۔ تھوڑا تھوڑا حاصل کرتا رہے دوسری ٹیکنیک عملی زندگی میں apply ہوگی

یہ بات جس میں فرمایا گیا:

مَنْ اَمَّ لِلنَّاس فَالْیُخَفِّفْ عَنْہُمْ

ترجمہ: جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس میں تخفیف کرے۔

جو میرا امتی مصلیٰ پر کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز با جماعت پڑھائے تو وہ بھی اسی فن اور اسی تاکید پر عمل کرے کہ مختصر ترین وقت لے ''فَالْیُخَفِّف'' تھوڑا کم از کم وقت میں اپنا کام مکمل کرے یہ ٹوٹل ہے ہمارے دین کا فلسفہ اور مزاج یہ ہے کہ آپ کے پاس اتنی استعداد ہونی چاہیے کہ آپ بڑے سے بڑا کام تھوڑے وقت میں نپٹا سکتے ہوں۔ جو لوگ دنیا میں ذلیل ہو رہے ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصل سے کٹ گئے ہیں لوگوں کے مقلد بن گئے اور وہ لوگ ہمارے اصولوں کو follow کر کے ہمارے حکمران بن گئے ان کی سٹڈی زیادہ ہے، ریسرچ زیادہ ہے، ہمارے دین پر ہم نے انکو کیا پڑھنا ہے ان کے علوم وفنون تو بعد کی بات ہے، خود ہمارے یہاں قرآن وحدیث کا مواد اس طرح موجود نہیں جس طرح ہونا چاہیے تھا، جب علماء کے پاس اپنی لائبریریاں نہیں ہیں تو اور کہاں ہوں گی۔ اب سمجھیے! "الدِّین النصیحه" کیا ہے؟ یعنی Refine کرنا اس کو نصیحت کہتے ہیں۔ سب سے پہلے لِلّٰه. لِلّٰه کیا ہے، قرآن پاک میں یہ مضمون سورۃ توبہ میں آیا ہے۔ دوسروں کی خیر خواہی دوسروں کے لیے تڑپنا، ان کو ترغیب دینا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ (التوبہ:91)

ترجمہ: ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں نہ بیماروں پر نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں۔

یہ وہ لوگ تھے جو جہاد میں نہ جا سکے کسی عذر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مستثنیٰ فرما دیا کہ اگر کوئی بیمار ہے ضعیف ہے کوئی بوڑھا ہے اگر وہ جہاد میں نہ جا سکے تو ان پر کوئی حرج نہیں اگر مال بھی ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے نہیں تھا تو ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ایک شرط پر "اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہ" کہ وہ پیچھے رہ کر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخلص رہیں، ڈنڈی نہ ماریں، منافقین ایسا کرتے تھے اگر وہ ایسا کریں تو ان کے لیے استثناء نہیں ہے استثناء ان کے لیے ہے جو پیچھے بیماری اور ضعف میں پڑے ہوئے بھی جھوم رہے ہوں کہ کاش ہم ٹھیک ہوتے، ہم جہاد میں اپنے رب اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کے لیے جاتے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نصیحت ہے۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں: اللہ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں اپنا عقیدہ درست کرے تعلق باللہ ٹھیک کرے رب سے میرا تعلق کیسا ہے کتنا ہے، پھر عملی زندگی میں اپنے آپ کو جھانک کر دیکھے کہ کوئی عملی مظاہرہ بھی ہے کہ نہیں، اللہ کے لیے نصیحت کرنے کا پہلا مطلب یہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کے ساتھ ہر حال میں مخلص ہو نیت میں بھی مخلص عمل اور ارادے میں بھی مخلص ہو جو کام بھی کرے، اپنے رب کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرے۔ محبت کی جو بھی بنیاد رکھے "الحب فی اللہ" اور "البغض فی اللہ" پر رکھے اللہ کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانے اس کے فرائض و واجبات کو صحیح طریقے سے ادا کرے۔

نصیحت کا مطلب کیا؟ النصیحۃ للہ جب دین نصیحت ہے تو وہ نصیحت کہیں اللہ سے جڑی ہوئی ہے کہیں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہیں اس کی کتاب قرآن سے کہیں اہل اقتدار سے جڑی ہوئی ہے اور کہیں عامۃ الناس تمام لوگوں سے جڑی ہوئی

ہے۔ اپنی پوری صلاحیت کو اپنے رب کے لیے صرف کر دینا یہ نصیحت ہے۔ "لِلّٰہِ" یہ دوسرا پہلو دیکھیے اس میں بیٹھ کر مجمع کو نصیحت و واعظ کر دینا اور بات ہے زبان سے یہ نصیحت نہیں ہے یہ ایک ابلاغ ہے۔ نصیحت یہ ہے کہ دل میں بھی ان کی تڑپ ہو صرف ان کے سامنے نہیں بلکہ ان کی غیر موجودگی میں بھی تڑپ ہو۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انداز نصیحت

یہ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے۔ ان کے غلام نے سودا کیا کچھ تھان کپڑے کے تین سو درہم میں خریدے ہیں۔ نصیحت کی روح کھل جائے گی اوپر آپ تشریف لائے دیکھا سودا اس نے خریدا ہے۔ کسٹمر بالکل راضی ہے خوشی سے سودا کر رہا ہے اپنے غلام سے پوچھا کتنے میں سودا کیا ہے ان اس نے کہا تین سو درہم کا میں نے اس لے لیا ہے۔ آپ نے بیچنے والے شخص سے فرمایا: تیرا یہ کپڑا تین سو درہم سے زیادہ کا ہے اس کی کوالٹی اس کا معیار اس سے زیادہ ہے اس نے کہا، آپ بتائیں یہ کتنے درہم کا ہے، آپ نے فرمایا: میرے خیال میں یہ تقریباً آٹھ سو درہم کا ہے۔ دکان پہ نوکر سودا کر چکا ہے وہ راضی بھی ہے خریدنے والا اور آپ مالک اوپر تشریف لا رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ غلام نے بہت مہنگی چیز سستے دامن خرید لی ہے۔ یہ خیر خواہی ہے، اچھی بھلی پرافٹ آ رہی ہے، مگر نصیحت کیا ہے؟ نصیحت بھی وہ ہستی کرے کہ جس نے نصیحت کا وعدہ کیا ہوا ہے، خیر خواہی پر بیعت کی ہوئی ہے، فرمایا یہ تین سو درہم کا نہیں، یہ آٹھ سو درہم کا ہے، اس کے ساتھ کھڑے ہیں اس زیادہ بھلائی جاننے والے ہیں، اپنے غلام کو کہا کہ تو آٹھ سو درہم کی چیز تین سو میں لے رہا ہے، کچھ خدا کا خوف کر، اسے آٹھ سو درہم ادا کر، پھر اسے آٹھ سو درہم دلوا دیئے۔

اس میں دوسری مثال ہے: سوئی دھاگہ لے کر پھٹے ہوئے کپڑے کو سینا۔ یہ

اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک بندے کے اندر تڑپ نہ ہو یہی کیفیت ہے ''ولکتابہ'' قرآن کے ساتھ مضبوط تعلق قرآن سے محبت، قرآن پاک کلام الٰہی ہے اللہ تعالیٰ سے کوئی گلے نہیں مل سکتا معانقہ نہیں کرسکتا وہ اس سے ماورا ہے منزہ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:11)

ترجمہ: اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

بندے کی محبت جب تک اپنے پروردگار سے نہ ہو وہ ایمان والا نہیں بن سکتا تو اس نے ایک حسی نشانی اپنی دے دی ہے اگر کبھی مجھ سے ملنے کو جی چاہے تو میرے قرآن کو دیکھ لیا کرو مجھ سے گلے ملنا ہو تو اس کو سینے لیا کرا اور اگر مجھ سے گفتگو کرنی ہو تو اس کی تلاوت کرلیا کرا اور اگر میرا مزاج سمجھنا ہو تو اس کا ترجمہ پڑھ لیا کر یہ سارا نصیحت ''ولکتابہ'' ہے، تعلق بالقرآن ہے ''ولرسولہ''اس میں تعلق باللہ ''ولکتابہ ''میں آتا ہے درس قرآن، قرآن پاک کو صحیح تجوید کے ساتھ تلاوت کرنا قرآن کو سمجھنا درس وتدریس اس کو نشر کرنا یہ اس میں آتا ہے ''ولکتابہ ''مکمل نہیں ہوتا اس کو غلاف چڑھا کر خوشبو لگا کر الماری میں رکھا ہوا ہے ماشاء اللہ یہ ہماری کتاب قرآن رکھی ہوئی ہے یہ بے وفائی ہوگی ''ولرسولہ'' میں آئے گا اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ عشق، بے پناہ محبت اور ان سے جب گفتگو یاد آئے تو ان کی حدیث پڑھ لیا کرو درس حدیث کا اہتمام علوم حدیث کا پھیلاؤ نشر علوم حدیث اس کو پھیلانا اس کو کھولنا اس کی وضاحت صراحت اس کی شروح کرنا جیسے آئمہ حدیث نے کی ہے جب بندہ ان کو کھول کر بیٹھتا ہے ایسے لگتا ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھ گیا ہے، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھنا سننا صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فائدہ دیتا ہے جنہوں نے اس کا ذائقہ چکھا ہے پھر وہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتے۔ پھر آئمہ مسلمین کو نصیحت یعنی وقت کے حکمران، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے حکمران کی خیر

خواہی حکمران کے لیے دعا اس کی بہتری، ان کے خلاف پروپیگنڈہ سے گریز اس کے بُرا ہونے کے باوجود اور غیبت تو بالکل نہ کریں اپنا حق مانگنا چاہتے ہیں تو مانگیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہُ اللہ فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کہے کہ تیری صرف ایک ہی دعا قبول ہو گی کیا مانگتا ہے، تو فرماتے میں صرف حاکم وقت کی ہدایت کی دعا مانگتا، سارا نظام اس سے وابستہ ومنسلک ہے وہ ٹھیک تو سارا نظام درست تو حاکم وقت کی خیر خواہی اسے اچھا مشورہ دینا اسے سیدھے راستے کی تلقین کرنا اسے تنبیہ کرنا اسے جھنجھوڑنا اس میں ہے لیکن جذبہ صرف خیر خواہی کا ہو پھر عامۃ المسلمین جتنے اللہ کے بندے ہیں ان سب کے لیے خیر خواہی کا جذبہ ہو، ان کی اصلاح کرنا علمی سطح پر بھی اور عملی سطح پر بھی۔

حضرت ابوبکر المزنی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت ابوبکر المزنی رضی اللہ عنہ متقی تھے بہت بڑے بزرگ تھے ان کا نام ہی ابوبکر تھا فرماتے:

مافاق ابو بکر رضی الله عنه اصحاب محمد ﷺ بصوم ولا صلوٰۃ ولکن بشئیٍ کان فی قلبه[1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں سے سب سے بلند مرتبہ پہ فائز ہوئے تو وہ اپنے نمازوں اور روزوں کی وجہ سے نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس درد کی وجہ سے ہوئے تھے جو ان کے سینے میں تھا۔

وہ چیز جو ان کے قلب میں تھی وہ کیا تھی:

۱۔ جامع العلوم الحکم 90/1

الذی کان فی قلبہ الحب للہ (عزوجل) والنصیحۃ فی خلقہ[1]

ترجمہ: اپنے پروردگار سے محبت اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی۔

اس کی گواہی خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے "ارحم امتی بامتی ابو بکر" فرمایا میری امت میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں تو مہربانی اور خیر خواہی کے جتنے بھی پہلو ہو سکتے ہیں وہ سارے کے سارے اس حدیث پاک میں ہیں۔

نصیحت کی اہمیت

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہم نے کثرت صوم وصلواۃ سے نہیں پایا یہ کہ ہم نے تو صرف اور صرف اس نعمت کو سخاوت نفس اور سلامتی صدور (یعنی سینوں کی صفائی اور حفاظت) اور امت مسلمہ کی خیر خواہی سے پایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو فرمایا اللہ کی خاطر خیر خواہی کرنا، حضرت امام معمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں میں تمہارا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ ہے جو تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہو اور سلف صالحین جب کسی کو نصیحت کا ارادہ فرماتے تو اس کو خلوت میں سمجھاتے یہاں تک کہ ان میں سے بعض فرماتے: جس نے اپنے بھائی کو تنہائی میں سمجھایا یعنی جو نصیحت ان دونوں کے مابین رہے یہ خیر خواہی ہے۔ جس نے اسے مجمع عام میں سمجھایا یہ اس کی رسوائی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن پردہ رکھنے والا اور خیر خواہی کرنے والا ہوتا ہے اور فاجر توہین

1۔ جامع العلوم الحکم 90/1

کرنے والا ہوتا ہے اور عار دلانے والا ہوتا ہے۔

حکمرانوں کو نصیحت

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم سے پہلے کے لوگ جب کسی شخص کو کسی عیب میں مبتلا پاتے، تو اس کو نرمی سے بھلائی کا حکم کرتے تھے اور اس امر و نہی کا اجر پاتے تھے، لیکن آج کل کے لوگ اپنے ساتھی کا پردہ چاک کرتے ہیں اور اپنے بھائی کو غضب ناک کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کہ حاکم وقت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیسے کیا جائے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرنا ہی چاہو تم اس طرح کرنا کہ بات تمہارے اور اس کے مابین رہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ذمی کو نصیحت کرنا مسلمان کے ذمہ نہیں ہے لیکن مسلمان کو نصیحت کرنا اس پر لازم ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

وَالنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ[1]

ترجمہ: ہر مسلمان کے لیے نصیحت کرنا۔

یعنی یہ کہ تم مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر نصیحت کرتے رہو۔

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

۱۔ الترغیب والترہیب: رقم: 2640

حضرت ابو ابراہیم نجیبی فرماتے ہیں کہ ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو عاجزی کرے اور عزت کرے۔ اپنی حرکت کو چھوڑ دے۔ اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت و بزرگی اس کو ہو، جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و عزت ہوتی۔ اور ایسا ادب کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا ادب سکھلایا ہے۔

درس حدیث نمبر:3

(حدیث جبرائیل)

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمھی تو ہو

حدیث جبرائیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝٥٦
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

"عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللہ ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لا یری علیہ اثر السفر ولا یعرفہ منا احد حتی جلس الی النبی ﷺ فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع کفیہ علی فخذیہ و قال یا محمد اخبرنی عن الاسلام فقال رسول اللہ ﷺ الاسلام ان تشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ و تقیم الصلواۃ و تو تی الزکوۃ و تصوم رمضان و تحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا قال صدقت قال فعجبنا لہ یسئلہ و یصدقہ قال فاخبرنی عن الایمان

قال ان تؤمن باللہ وملائکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخر و تؤمن بالقدر خیرہ و شرہ قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك...الخ[1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی ہمارے پاس آیا۔ جس کا لباس نہایت سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے آثار تھے نہ ہم میں سے کوئی اسے جانتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیا اور کہا: اے محمد! مجھے اسلام کے متعلق بتائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو اور اگر تمہیں استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ ہم نے اس کی بات پر تعجب کیا کہ یہ آپ سے سوال بھی کرتا ہے۔ اور آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے پھر اس نے کہا۔ مجھے ایمان کے متعلق بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر۔ یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ اس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا، پھر اس نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں

1۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب اول الایمان

دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا۔ مجھے قیامت کے متعلق بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے بارے میں مسئول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سائل (اس پوچھنے والے) سے زیادہ نہیں جانتا، پھر اس نے کہا: مجھے اس کی کچھ نشانیاں بتا دیجیے؟ آپ نے فرمایا: لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور یہ کہ تم دیکھو گے کہ ننگے بدن، ننگے پاؤں، فقیر قسم کے لوگ بکریوں کے چرواہے عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے پھر وہ (سائل) چلا گیا پھر میں (حضرت عمر) ایک عرصہ ٹھہرا رہا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا: وہ جبرائیل علیہ اسلام تھے۔ جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ کو اس متن کے ساتھ صحیح مسلم میں امام مسلم بن حجاج بن حسین علیہ الرحمہ نے روایت کیا، امام بخاری اس روایت کو اس متن کے ساتھ اپنی صحیح میں نہیں لائے، ہمیں جو مطلوبہ متن تھا، وہ صحیح مسلم میں ملا، اگرچہ اس کو جزوی طور پر امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی نقل کیا، درس کے آخر پر ہم امام بخاری کے متن سے بھی استفادہ کریں گے۔ اس حدیث شریف کی جو معنوی اہمیت ہے، اُس کے بارے میں امام قرطبی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: یہ حدیث "اُمّ السُنّة" ہے۔ یعنی سُنتوں کی ماں ہے، یا احادیث کی ماں ہے۔ امام بغوی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اس حدیث کو احادیث کے میں وہی اہمیت حاصل ہے، جو قرآن کے اندر سورۃ الفاتحہ کو حاصل ہے۔ جس طرح سورۃ الفاتحہ کو "اُمّ الکتاب" کہتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے سارے مضامین کا خلاصہ اور اس کی روح ہمیں سورۃ الفاتحہ میں مل جاتی ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے جو آخری الفاظ ہیں، اُن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو پورا دین فرمایا ہے۔ اس

اعتبار سے حدیث کی دنیا میں اس حدیث شریف کو سمجھ لینا گویا، پورے علم حدیث کا احاطہ کر لینا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ مجلس لگی ہوئی تھی، ہم نے دیکھا کہ ایک شخص جو اجنبی تھا، اور ہم میں سے کوئی اُسے جانتا نہ تھا، وہ مجلس میں ظاہر ہوا، اُس کا حلیہ یہ تھا، کہ اُس نے انتہائی چمکدار سفید لباس پہنا ہوا تھا، اور اُس کے بال شدید سیاہ تھے، حالانکہ یہ عرب کے ماحول کے خلاف تھا کہ کوئی شخص باہر سے سفر کرتا ہوا آئے، اور اُس کے کپڑے انتہائی صاف ستھرے اور چمکدار ہوں اور اُن پر کوئی گردو غبار نہ ہو، اس چیز نے اُن کو متعجب کر دیا۔ اُس پر سفر کے کوئی اثرات ظاہر نہیں ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ سب کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اس انداز سے بیٹھا، جیسا کہ پہلے زمانے میں بالخصوص حدیث کے طالب علم اپنے اساتذہ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے، اُس نے اپنے گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نازک گھٹنوں سے ملا دیئے، یعنی دوزانو بیٹھ گیا۔ اس متن کو بہت سارے صحابہ اور محدثین نے روایت کیا ہے۔ میں نے کل کوشش کی کہ وہ سارے متون میں دیکھ لوں کیونکہ بعض اوقات روایت کرنے میں کچھ الفاظ زیادہ، کچھ کم، کچھ اضافی ہو جاتے ہیں اور جب سب متون سامنے ہوں تو بہت سارے اختلافات رفع ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت کے اندر جو الفاظ آئے وہ یہ کہ حضرت جبرائیل امین کے اس بیٹھنے کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ تشبیہ دی ہے۔ جیسے ہم نماز میں بیٹھتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام اس طرح اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں آ کر بیٹھے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک رانوں پر رکھ دیئے۔ صحابہ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ادب کرنے والا کوئی نہیں۔ صحابہ نے یہ اعتراف کیا ہے۔

جبرائیل کا بشری صورت میں آنا

جب جبرائیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تھے، تو اکثر صحابہ کو یہ پتہ نہیں ہوتا تھا، کہ یہ آنے والا جبرائیل ہے، جبرائیل انسانی شکل میں آتے تھے، اور یہاں سے ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں، کہ آنے والا ایک نوری فرشتہ ہے، بشر نہیں ہے لیکن اُس نے شدید سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اور اُس کے بال شدید سیاہ ہیں، حلانکہ وہ نوری فرشتہ ہے، اور حالت بشری میں آرہا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اس کی اہمیت بھی میں نے آپ کو بتائی، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پورا دین کہا، تو اس حدیث میں سے ہمارے سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے، کہ اگر نوری بشری حالت میں آسکتا ہے، تو کیا بشر نوری حالت میں نہیں آسکتا؟ لوگ اس پر تعجب کرتے ہیں کہ نبی تو بشر ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف:110)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمادو میں تمہاری مثل بشر ہوں۔

تو وہ نور کیسے ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے چوبیس ہزار بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے محبوب کی بارگاہ میں بھیجا۔ جبرائیل امین اکثر جب آتے تھے، تو حضور کے صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جو بڑے حسین وجمیل آدمی تھے، اُن کے حلیہ میں آیا کرتے تھے، تو صحابہ کرام کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ کہ یہ دحیہ کلبی ہیں، یا جبرائیل ہیں، جب چلے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتا دیتے کہ یہ جبرائیل امین تھے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آنا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر صحن میں تھے، اور میں اندر سے دیکھ رہی تھی، صحن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک آدمی کھڑے تھے اور باتیں کر رہے تھے، تھوڑی دیر بعد آپ اندر تشریف لائے تو

مجھ سے پوچھا کہ عائشہ معلوم ہے باہر کون تھا، عرض کی، حضور دور سے تو دحیہ کلبی لگ رہے تھے، آپ نے فرمایا: وہ دحیہ کلبی نہیں بلکہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ یہاں سے یہ سمجھ لینا چاہیے، کہ جو رب فرشتے کو بشر بنا کر بھیجنے پر قادر ہے، تو اُسی طرح وہ اپنے محبوب کے نور کو بھی بشری حالت میں بھیجنے پر قادر ہے، یعنی کسی کی نورانیت اس سے متاثر نہیں ہوتی ہے، اگر وہ بشر کی صورت میں دنیا میں آجائے، یہ وہ حقائق ہیں جو بڑی گہرائی میں جا کر سمجھ آتے ہیں، آج کی اس حدیث کا متن بھی اس سے Related ہے، اس حدیث مبارکہ کا جو تیسرا پہلو ہے وہ اسلام کے روحانی پہلو کو بیان کرتا ہے۔ جبرائیل کے بارے میں صحابہ کا ایک بڑا خوبصورت جملہ ہے جسے مُسند احمد میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے "مَا راینا رجلاً اشدّ توقیراً لرسول اللہ ﷺ من ھذا"۔ یعنی یہ شخص جب بھی بارگاہ رسالت میں آیا تو ہم میں سے کوئی بھی ادب اور تعظیم کے پیمانون میں اس شخص (جبرائیل امین) سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ حضور ﷺ کی رانوں پر رکھے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ گواہی دو، کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، ذکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور استطاعت کی شرط پر کعبۃ اللہ کا حج کرو۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران:97)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے، فرض ہے لوگوں پر اس گھر کا حج جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی۔

قرآن کے اسی مفہوم کا بیان حدیث میں ہوا ہے۔ یعنی اگر تمہیں حج کے اسباب میسر ہوں تو حج کرو۔ تو سائل نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں حیرت ہوئی کہ یہ کیسا سائل ہے، خود سوال کرتا ہے، اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔

سائل نے کہا: ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ایمان رکھو اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کی رسولوں پر، قیامت پر اور تقدیر کے خیر وشر پر ایمان رکھو۔ سائل نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔

حقیقت احسان

اس کے بعد سائل نے پھر عرض کی: احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت ایسے کرے کہ جیسے تو اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ احسان سے مراد وہ جوہر (اخلاص) ہے جس سے ایمان و اسلام کی ظاہر صورت یعنی عبادت الٰہی کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور عبادت کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندے کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر میں کس طرح آراستہ و مزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو جس طرح کوئی نوکر یا غلام اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہو تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق و چوبند مؤدب اور پابند ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر آقا نظر کے سامنے نہ ہو تو غلام اگرچہ خدمت انجام ضرور دیتا ہے مگر اس صورت میں نہ تو وہ اتنا چاق و چوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے اور نہ اس کے کام کرنے کے انداز میں اس قدر

والہانہ اور مخلصانہ کیفیت موجود ہوتی ہے۔ پس اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت وحالت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، تو خشوع وخضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خودبخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جائیں گی اور اس طرح اس کی عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پائے گی اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہوگا۔ عبادت کے اس مرتبہ کو "حقیقی احسان" کہا گیا ہے جس کو ارباب تصوف مشاہدہ اور استغراق یا مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب اونچا مرتبہ و مقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے اس لیے نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان میں رکھو کہ جس ذات کی عبادت تم کر رہے ہو اس کے سامنے تم کھڑے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ تمہاری ایک ایک بات پر اس کی نظر ہے اور تمہاری حرکات و سکنات میں سے کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں اس یقین واعتقاد سے بھی تمہاری عبادت میں خشوع وخضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہوجائے گا ور عبادت کا حق ادا ہوگا حدیث میں عبادت کی اسی کیفیت کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ واستغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

حدیث میں ان چاروں فرائض کا ذکر ہے جو ہر مسلمان ومومن پر اس تفصیل کے ساتھ عائد ہوتے ہیں کہ نماز اور روزہ تو وہ دو بدنی فرض عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہر عاقل وبالغ مسلمان سے ہے جو بھی آدمی ایمان اور اسلام سے متصف ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس پر فرض ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرے اور جب رمضان آئے تو اس مہینے کے پورے روزے رکھے۔ باقی دو فرض عبادتیں یعنی زکوۃ اور حج وہ مالی عبادتیں ہیں جن کا تعلق صرف اس مومن ومسلمان سے ہے جو ان کے بقدر مالی استطاعت وحیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً زکوۃ اس مسلمان پر فرض ہوگی جو

صاحب نصاب ہو اور حج اس مسلمان پر فرض ہے جو صاحب نصاب ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ وہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے آمد و رفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کرسکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لیے اہل و عیال اور لواحقین کے تمام اخراجات کے بقدر رقم یا سامان و اسباب ان کو دے کر جا سکتا ہو۔ زاد راہ اور فرضیت حج کی اس طرح کئی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور پر صعوبت ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ساقط نہیں کرسکتیں۔ سائل نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کہا۔ پھر سائل نے عرض کی کہ حضور قیامت کے بارے میں کچھ بتائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں نہیں جانتا۔ سائل بڑا سمجھدار تھا، کیونکہ وہ بھی رسول تھا، اور فرشتوں کا سردار تھا، یہ یاد رکھیں کہ جبرائیل علیہ السلام، ملائکہ رسل میں سے ہیں، جن کی عظمت سے بے خبری کے باعث بعض دفعہ ہم لوگ روانی اور جوش میں بڑی بڑی عجیب باتیں کر جاتے ہیں، اُنھوں نے بات یہاں ختم نہیں کی اور اُنھیں محسوس ہوا، کہ سوال جیسے پوچھنا چاہیے تھا ویسے نہیں پوچھا گیا، یہ براہ راست علوم غیبیہ سے متعلق سوال ہے، علوم خمسہ جو قرآن پاک میں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے غیب کہا ہے جو خود غیب الغیب ہے یہ اُن میں سے ایک ہیں، جب براہ راست پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار تواضع فرماتے ہوئے اسے سُنت بنا دیا کہ اگر کبھی کسی عالم سے اس طرح کا سوال کیا جائے تو شارحین حدیث فتح الباری اور عمدۃ القاری والوں نے یہاں پر لکھا ہے کہ یہاں علماء

کے لیے سنّت بنائی، جن سے سوال پوچھے جاتے ہیں کہ وہ اظہار رتواضع اور عاجزی کو اپنا شیوہ بنائیں۔اب جبرائیل امین نے سوال کو دوسرے طریقے سے بیان کیا، آپ غور کیجئے کہ سوال وہی ہے، حضور قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیں؟ یہاں جبرائیل کی فراست کا آپ اندازہ کریں۔

قیامت کی نشانیاں

قیامت کی کچھ اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگیں اور یہ علامتیں دیکھ لی جائیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ دنیا اپنے وجود کے آخری دور سے گزر رہی ہے پہلی علامت: تو یہ بتائی گئی کہ لونڈی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی اس کا ایک مطلب تو غلامی کے زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جا سکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان باندیوں سے اولاد بھی بہت جنوائیں گے، پھر انہی اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کا مال و جائداد اور حکومت وطاقت کے مالک بنیں گے وہ لاعلمی میں اپنی انہیں ماؤں کو جنہوں نے ان کو جنم دیا ہو گا باندیوں کے طور خریدیں گے۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں گے اس جملے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب معاشرے میں جنسی بے راہ روی عام ہو جائے، مرد و زن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں ایسے ناجائز بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہو اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں اور پھر وہیں بچے بڑے ہو لاعلمی میں اپنی ماؤں کو ملازمہ اور نوکرانی بنائیں۔ جنہوں نے ان کو جنا تھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔

دوسری علامت: برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کا ایوان حکومت اور عالیشان مکانات و محلات کا مالک ہونا، بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ شریف النسل، عالی خاندان اور مہذب ومعزز لوگ انقلاب زمانہ کا شکار ہوکر غربت وافلاس اور بے روزگاری و پریشان حالی کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں، اپنی حیثیت اور وقت کھو چکے ہیں اور معاشرتی وسماجی سطح پر کسی اثر ورسوخ کے حامل نہیں رہے اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ کہ جو کل تک حسب ونسب، شرافت ونجابت، نسل وخاندان اور تہذیب وشائستگی کے اعتبار سے نہایت بے حیثیت و بے وقعت تھے، تعلیمی واخلاقی طور پر کم تر وپسماندہ سمجھے جاتے تھے۔ غیر منصفانہ سیاست و انقلات کی بدولت حکومت واقتدار کے مالک بن بیٹھیں۔ دغا وفریب کے ذریعہ مال و دولت اور بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض اور عالی شان مکانات ومحلات کے مکین ہو گئے ہیں نہ صرف یہ بلکہ طاقت وحکومت، مال و دولت اور پر عیش زندگی نے ان کو گھمنڈی شیخی خور بنا دیا ہے، حقیقی شرافت ونجابت رکھنے والے غریب ومفلس لوگوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کی تباہی ورسوائی کے بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سمجھنا کہ اب اس دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا ہے اس تفصیل کو علامہ طیبیؒ علیہ الرحمہ نے چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قیامت کی علامتیں بتانے والے حدیث کے یہ دونوں جملے دراصل انقلاب وحالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہو جائے کہ اپنی اولاد اپنا آقا اور حاکم بن جائے اور شرف کی جگہ کمتر وذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت قریب آ گیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب لونڈی اپنا مالک جنے گی اور تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں پھرنے والے، بکریاں چرانے والے مسکین چرواہے بڑی بڑی عمارتوں کے مالک ہوں گے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر وہ اجنبی مسافر چلا گیا، اس کے بعد جو دوسرے متون میں نے دیکھے، اُن میں

یہ بھی ہے کہ جب جبرائیل چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس اجنبی کو بلاؤ، صحابہ جو اُس اجنبی کو لینے کے لیے بھاگے، اُن میں حضرت عمر بھی شامل تھے، لیکن وہ اُنھیں کہاں ملتا۔ سب نے واپس آکر عرض کی، کہ وہ نہیں ملے۔ دو یا تین دن بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: عمر کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ سائل کون تھا، یہاں جو الفاظ ذکر ہوئے وہ سائل کے ہیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ یہ جو "اَعْلَمُ" کا لفظ یہاں استعمال ہوا ہے، ایک لفظ ہوتا ہے "عالم" ایک ہوتا ہے "علامہ" اور ایک ان سب سے بلند مرتبہ ہوتا ہے "اَعْلَمُ" جو Superlative Degree ہے۔ یعنی سب سے زیادہ جاننے والا، اب یہاں اللہ اور رسول دو ہیں اور لفظ "اَعلَم" ایک ہی استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ متون ذہن میں ہوں تو عقیدہ ساتھ ساتھ خود ہی حدیث صحیح کرتی جاتی ہے۔ آپ حدیث کا متن پڑھ رہے ہوں، نہ اگر تو آپ کا عقیدہ اور نظریہ، آپ کی فکر، آپ کا عمل ہر چیز کی اصلاح ہو رہی ہوتی ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بظاہر معمولی اور عام سوالوں کے جواب میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین یہی کہتے تھے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ آج کون سا دن ہے، تو صحابہ کہتے: "اللہ ورسولہ اعلم" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھتے: یہ شہر کون سا ہے؟ صحابہ کرام عرض کرتے: "اللہ ورسولہ اعلم" یہ ہیں صحابہ، حجۃ الوداع میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تو صحابہ ہر بات کے جواب میں یہی کہتے، بعد میں لوگوں نے صحابہ کرام سے پوچھا، آپ کو تو پتہ تھا کہ آج عرفہ کا دن ہے، یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے، ۹ ذوالحجہ

کا دن ہو، میدان عرفات ہو تو اس میں کونسی شک والی بات ہے، کہ آپ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اُس کا رسول جانتے ہیں۔ لیکن صحابہ اتنے Conscious اور حسّاس تھے، اتنے وہ لطیف الحس تھے، انھوں نے کہا کہ ہم ڈرتے تھے، کہ ہم اس سوال کا جواب دیں، اپنے علم کے مطابق اور اللہ کے رسول کچھ اور کہہ دیں۔ ہم اللہ کے رسول کے سامنے جھوٹے پڑ جائیں، ہماری بات جھوٹ ہو جائے، اس لیے ہم بہتر سمجھتے تھے کہ آپ ہی فرما دیں کہ آج کون سا دن ہے۔ بعض لوگ اللہ اور اُس کے رسول کا ذکر اکٹھا کر دینے کو بھی شرک سمجھتے ہیں، اور اس سے بھی بڑا اعتراض جو کرتے ہیں کہ دونوں میں "اَعْلَمُ" کی صفت ایک ہی جمع کر دی۔ کہتے ہیں کہ یہ تو صریح شرک ہے، اللہ بھی اعلم اور رسول بھی اعلم؟

اب اگر کہنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں اور سُننے والے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں تو وہ دین بن جاتا ہے۔

ارکان اسلام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس اظہار کے بعد فرمایا کہ وہ جبرائیل آئے تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے۔ یہ مکمل دین ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے: (۱) اسلام (۲) ایمان (۳) احسان۔

اسے یاد کرلیں، یہ بطور مسلمان ہمارا سبق ہے، یہ ہمارے کلمہ کی تشریحات ہیں، اگر یہ چیزیں ہمارے ذہن اور حافظہ میں محفوظ نہ ہوں تو ایمان کی لذت محسوس نہیں ہوتی، ایمان رسم رہ جاتا ہے۔ اس کو سبق کی طرح سمجھ کر اس کے مضامین اور مفاہیم کو یاد کرلیں۔ ان تینوں کے مجموعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین فرمایا۔

اب پہلی چیز تو عقیدہ سے متعلق ہے، اُسے سمجھیں، آج الحمد للہ آپ اپنے عقیدے

کی اُس جہت کے بارے میں سُنیں گے، جس کے بارے میں بیان کرنے کا اب رواج ہی نہیں رہا اور اُس کے متبادل جو فروعات تھیں شریعت کی، اُن کو بطور عقیدہ کے متعارف کروا دیا۔ اب ہمارا سادہ ذہن جن چیزوں کو عقائد سمجھتا ہے، عقائد کہتے ہیں: فروعات کو، اصول اور ایمان، یہ دین کی جڑ ہیں، جن کو ہم عقائد کہتے ہیں، یہاں ہمارے ماحول کے اندر ایک بہت بڑا حادثہ اور سانحہ ہوا کہ وہ چیزیں جو فروعات شریعت تھیں، اُن کو اصول کا درجہ مل گیا، لوگوں نے غلط فہمی میں اُن کو عقیدہ سمجھ لیا، حالانکہ وہ عقیدہ نہیں تھا، آج عقیدہ سے متعلق ایک بہت بنیادی چیز سمجھ لیں جس کو ہمارے ائمہ کرام نے بیان کیا۔ تین درجے آپ نے خود سُنے: اسلام، ایمان اور احسان۔ اب اس میں جو پہلے دو درجے ہیں: اسلام اور ایمان، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یعنی اللہ کی وحدانیت اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا۔

اب یہ جو ہم گواہی دیں گے یہ اظہار اور اقرار ہے۔ یہ ہماری زبان کا فعل ہے۔ اُس کے بعد آپ نماز قائم کریں گے، یہ بدنی عبادت ہے، پھر زکوٰۃ جو کہ مالی عبادت ہے، رمضان کے روزے رکھنا، یہ بھی بدنی، اور مالی عبادت ہے، ان کو ہم اعمال کہتے ہیں اور حج ادا کرنا، یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔ یہ پانچ ارکان اسلام ہیں، جن کے بارے میں دوسری حدیث بھی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

بنی الاسلام علی خمس

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

اور جب پوچھا گیا ایمان کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ پر ایمان لاؤ،

علماء کرام کہتے ہیں کہ جب جبرائیل نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جبرائیل نے ایمان کے لغوی معنی پوچھے ہیں، بلکہ ایمان کے حقیقی معنی پوچھے ہیں، یہاں جو ایمان ہے یہ فعل باطنی اور قلبی ہے۔ یہ بڑی باریک چیز ہے اس کو سمجھ لیں، اللہ پر ایمان آپ کیسے لائیں گے، یہ آپ کا باطنی عمل ہے۔ اور ملائکہ اور رسولوں اور کتابوں پر ایمان۔ یہ سب باطنی اور قلبی فعل سے متعلق ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں : کہ ایمان کا محل اور مقام وہ قلب ہے۔ حضور ﷺ نے باقائدہ قلب کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: کہ ایمان یہاں ہے، اور تقویٰ کا مقام بھی قلب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ تین بار آپ نے فرمایا: اے لوگو! تقویٰ یہاں ہے۔ اسی طرح خشوع کا محل بھی قلب ہے اور یہ بھی باطنی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ (البقرہ:225)

ترجمہ: اللہ اس پر گرفت کرتا ہے جو کام تمہارے دل نے کیے۔

یہ سب قلب کے افعال ہیں۔ اسی لیے قرآن میں ہے کہ تمہاری پکڑ ہوگی قیامت کے دن اُن اعمال کے نتیجہ میں جو تمہارے دلوں نے کئے۔ یعنی اعمال قلبی بھی ہوتے ہیں جو باطنی اُمور ہیں۔ علماء کے اندر ایک بحث ہے، ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ یہ عقیدہ کی ایک بحث ہے، ائمہ کی ایک جماعت کہتی ہے: "الایمان ولا یزید ولا ینقص" یعنی ایمان نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حنفی اور ماتریدی School of Thought ہے، جس کے ہم ماننے والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ ہوسکتا کہ یہ کہا جائے کہ یہ شخص تھوڑا مسلمان ہے اور تھوڑا کافر ہے۔ یہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تحقیق ہے۔ فرمایا کہ جو کہتے ہیں کہ ایمان گھٹ سکتا ہے اور ایمان بڑھ سکتا ہے تو اس کا مطلب ہے

کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص کبھی تھوڑا مسلمان ہوتا ہے اور کبھی تھوڑا کافر ہو جاتا ہے۔ جب کہ ایمان ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے۔

جسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلہ:22)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر ایمان ثبت کر دیا گیا ہے۔

ایمان کوئی ایسی جنس نہیں ہے جو 10 فیصد کم کر دی یا 20 فیصد بڑھا دی، ایسا نہیں ہے بلکہ ایمان ایک مستقل حالت کا نام ہے۔ وہ یا تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ یا تو کوئی شخص مومن ہے یا کافر ہے۔ یہ ایک اصولی حقیقت ہے، اور قرآن اس حقیقت کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ بار بار کہتا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (العصر:3)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔

یعنی ایمان ایک الگ حالت اور حیثیت کے طور پر بیان ہوا، اور اعمال ایک الگ حیثیت کے طور پر۔ اس کا مطلب ہے، کہ ایمان ہونا ایک الگ صفت ہے اور نیک اعمال کرنا ایک الگ چیز ہے۔ نیک اعمال کا کسی شخص میں پایا جانا ایمان کی جلاء کا باعث ہے۔ یہ ایمان کے نور کو بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ اس کو اگر ہم محاورہ میں افزودگی ایمان کہہ لیں محاورہ کے طور پر تو جائز ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ امام بخاری کے اندر یہ چیز بہت زیادہ ہے، کہ وہ ایک چیز کو اختیار کر کے پھر اس کی بڑی تبلیغ کرتے ہیں، اُس کو منوانے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں۔ امام بخاری سمجھ لیں پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے اس کو اپنی صحیح میں درج کیا اور پھر اس پر زور دیا۔ یہ میں نے اس لیے بتا دیا تاکہ بخاری کے مطالعہ کے

دوران یہ بات ذہن میں رہے کہ امام بخاری اس بات کے قائل ہیں۔

یہ غلط فہمی لوگوں کو کیوں ہوئی؟ یہ سمجھ لیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ایمان ایک الگ مستقل حقیقت ہے اور اعمال ایک الگ اور مستقل حقیقت ہیں۔ اور جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے، اُس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج اگر اس شخص نے ایک نماز چھوڑ دی تو اس کا ایمان گھٹ چکا ہے۔ یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ اعمال ایمان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ (الانفال:2)

ترجمہ: صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن پر اللہ کی آیتیں تو یہ ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس زیادتی سے مراد ان لوگوں نے (Quantity) مقدار سمجھ لیا، جبکہ ایسا نہیں ہے، اس کا سیاق وسباق بتا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں ان لوگوں کو مومن پہلے کہہ دیا، وہ مومن تو ہیں، لیکن جب وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں تو ان کے ایمان کو اور جلاء ملتی ہے۔ انھیں تقویت باطنی ملتی ہے، نورانیت ایمان میں اضافہ تو ہو سکتا ہے لیکن ایمان کی بنیاد میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اس اعتبار سے یہ سمجھنا چاہئے، کہ جہاں ہمارا دین ہمیں ایمان کی دعوت دیتا ہے اور اعمال صالح کی دعوت دیتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ اپنے ایمان کو چمکاؤ، اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ اپنے مومن ہونے کا ثبوت دو۔

باطل فرقوں کا رد

یہ بڑی مفصل بحث ہے، اس کو ہمارے ائمہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ لیا ہے کیونکہ یہ بڑا Serious مسئلہ ہے۔ ہمارے اہل سنت و جماعت کے علاوہ، یہ میں آج والے اہل سنّت کی بات نہیں کر رہا، ساڑھے تیرہ سو سال پہلے والے اہل سنت کی بات کر رہا ہوں۔ اُس وقت جو باطل فرقے اُٹھے، اُن میں سے خوارج اور معتزلہ، روافض وغیرہ مشہور ہیں، صحابہ کرام اہل سنت تھے اور یہ لوگ اس وقت ان کے مقابل کھڑے تھے۔ صحابہ کرام کے بعد آ گئے تابعین، ان سب کے سامنے کھڑے تھے یہ خوارج اور معتزلہ، ان لوگوں نے کہا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا بھی ہے اور اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کرلے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس چیز کو رد کرنے کے لیے اور بچانے کے لیے ہمارے ائمہ نے Stand لیا کہ یہ لوگ تو "نعوذ باللہ" پوری امت کو ہی کافر کر دیں گے۔ اُن ظالموں نے اپنی تکفیر کی یہ مشین سب سے پہلے جن ہستیوں پر چلائی، وہ حضور کے چار جلیل القدر صحابہ تھے۔ دلیل میں قرآن کی آیت پیش کرتے تھے، وہ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے تھے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام:57)

ترجمہ: حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔

حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان چار صحابہ پر انھوں نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا اور ہے۔ خوارج کی آج بھی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ نماز چھوڑی تو کافر، جھوٹ بولا تو کافر، یہ وہ طبقہ ہے جو ان عقائد کا مالک ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ کتنا Serious مسئلہ ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کے اندر کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ ایمان الگ چیز ہے اور اعمال الگ چیز ہیں۔ البتہ اعمال صالحہ سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور اعمال قبیحہ سے ایمان کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔ ائمہ نے بڑی مثالیں بھی دی ہیں، فرماتے ہیں، ایک بڑا خوبصورت اور وہی آدمی اگر اس پر میل کچیل لگی ہوئی ہے، اچھا لباس نہیں پہنا، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب یہ انسان ہی نہیں رہا، یا یہ وہ شخص ہی نہیں رہا، انسان وہی ہے، شخصیت وہی ہے، اُس کی حالت بدل گئی ہے، بس اس حد تک اچھے اور برے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

یہ بھی بڑا اہم مسئلہ ہے۔ یہ بھی ہمارے دور سے متعلق ہے۔ اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ کے بعد جو دوسرے راوی ہیں، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ۔ صحیح مسلم کے متن میں اس حدیث سے اوپر تقریباً اتنی ہی طویل ایک اور عبارت ہے، دو راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے ہی ایک حدیث کو روایت کر رہے ہیں، اُن کا مکالمہ ہے، یہ دونوں کہتے ہیں: کہ بصرہ میں ایک شخص تھا، معبد الجہنی، اُس کا نام تھا، یہ اس امت میں پہلا شخص تھا جس نے مسئلہ قضا و قدر پر بحث چھیڑی۔ آپ اندازہ کر لیں کہ یہ اُس دور کا آدمی ہے جب صحابہ موجود تھے، بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ شاید یہ گمراہ فرقے آج کل بنے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کی جڑیں اُسی وقت بن چکی تھی، یہ اب اُن کی مختلف شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس شخص نے قدریہ فرقے کی بنیاد رکھی۔ یہ جو جبریہ، قدریہ، خوارج، معتزلہ، جہنیہ، مرجیہ، یہ سب پرانے فرقے ہیں اور آج جو فرقے ہمیں نظر آتے ہیں یہ اُن ہی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ تو یہ دونوں حضرات کہتے کہ اگر ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی صحابی مل جائے،

تو یہ معبد الجہنی تقدیر اور قضا وقدر کے بارے میں جو باتیں کرتا ہے، ہم اس کے بارے میں اُن سے رائے لیں کہ تقدیر کے بارے میں ہمیں کیا عقیدہ ونظریہ رکھنا چاہیے۔ کہتے ہیں ہم مکہ معظّمہ میں جب عمرہ یا حج کے لیے گئے تو وہاں ہمیں مسجد حرام کے اندر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مل گئے۔ کہتے ہیں کہ ہم دونوں والہانہ شوق سے ایک اُن کے دائیں نظر گیا اور ایک بائیں نظر گیا، اور عرض کیا حضور ہمارے بصرہ میں ایک شخص ہے، جس کا نام معبد الجہنی ہے، وہ قضا وقدر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے، کہ ابھی جو فعل ہوا اُس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا، نہ داخل میں، نہ خارج میں، نہ علم میں اور ہمیں ہمارے دین نے کیا سکھایا، وہ یہ ہے کہ خیر اور شر کے بارے میں جو چیزیں مقدر ہیں، وہ اللہ کے علم میں پہلے سے موجود د، جو ہونا ہے اور جو نہیں ہونا ہے، وہ اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں، اللہ کا علم قدیم، ازلی، ابدی و سرمدی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اگر کوئی چیز ابھی وقوع پذیر ہوئی ہے، تو وہ اللہ کے علم میں بھی ابھی آئی ہے، وہ اللہ کے علم میں پہلے سے تھی، ہمارے علم میں اب آئی ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح ہمارا خالق ہے، اُسی طرح ہمارے اعمال کا بھی خالق ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصفت:96)

ترجمہ: جس نے تمھیں پیدا کیا اور ررے اعمال کو پیدا کیا۔

اللہ فاعل اور قاصد نہیں، اللہ اعلم ہے، علیم بالذات الصدور ہے۔ فرقہ قدریہ کے لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ کا علم کوئی چیز نہیں، پہلے کوئی چیز واقع نہیں ہوتی سر جیسے ہی کوئی شخص کوئی فعل کرتا ہے، وہ اُسی وقت وجود میں آتا ہے، گویا انھوں نے تقدیر کی بطور عقیدہ کے جو حیثیت تھی، اُس کا انکار کر دیا، اللہ کے علم قدیم کی نفی کر دی اور اس کے پیچھے ان کے بہت سارے مقاصد تھے۔ جب یہ بات حضرت عبداللہ ابن عمر کی بارگاہ

میں عرض کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو یہ عقیدہ رکھے ہم اُس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، جس شخص نے اللہ کی تقدیر کا انکار کیا، اُس نے اللہ کا انکار کیا اور وہ کافر ہے۔

من کفر بالقدر کفر باللہ

ترجمہ: جس نے تقدیر کا انکار کیا اس نے اللہ کا انکار کیا۔

ترمذی شریف میں ہے:

لا یؤمن باللہ من لا یؤمن بالقدر

ترجمہ: جس شخص نے اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں رکھا گویا اُس نے اللہ پر بھی ایمان نہیں رکھا۔

یہ ایک انتہائی اہم چیز ہے جس کے بارے میں آج شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ی چیز جو احسان ہے آج ہم اسی تک محدود رہیں گے، کیونکہ قیامت وعلامات قیامت ہے، یہ ایک مستقل اور بڑا مفصّل مضمون ہے۔

قرآن میں ایمان کے تین مراتب بیان ہوئے ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ اگر تو آپ اسلام تک محدود ہیں تو آپ علم الیقین تک ہیں، اگر آپ ایمان تک گئے تو آپ عین الیقین تک گئے، اگر آپ مرتبہ احسان تک فائز ہیں تو آپ حق الیقین تک ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ، جن کو منکرین صوفیہ سمجھا جاتا ہے، انھوں نے خود اس حدیث کی شرح میں پوری ایک کتاب لکھی، جس میں انھوں نے اعمال قلبیہ کو ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مرتبہ اسلام تک پہنچا ہوا ہے، اُسکو مسلم کہتے ہیں، جو شخص مرتبہ ایمان تک پہنچا ہوا ہے اُسے ہم مومن کہتے ہیں، اور جو شخص مرتبہ احسان تک پہنچا ہوا ہے اُسے ہم محسن کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے، کہ تصوف کی قرآن میں

جو اصطلاح آئی ہے وہ تزکیہ ہے اور حدیث کے اندر جو اصطلاح آئی ہے وہ احسان ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ (الشمس:9,10)

ترجمہ: کامیاب ہو گیا وہ جس نے اسے پاک رکھا۔ اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے مصیبت میں چھپایا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (ال عمران:164)

ترجمہ: اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

حدیث میں تصوف کے لیے ''احسان'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو، اتنی Presence اور حضوری حاصل ہو کہ گویا ہر وقت تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اسے محدثین نے مراقبے سے بھی تعبیر کیا۔ یعنی ہر وقت اپنے رب کے مراقبے میں رہنا۔ گویا ہر وقت تم اپنے رب کی نظر میں ہو۔ دو حالتیں بیان کی، یا تو یہ ہو کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو یا اور دوسرا یہ کہ تمہارا رب ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔ رب کی معیت وقربت کے احساس کو ہر وقت طاری رکھنا، اس حالت کو الفاظ میں احسان کہتے ہیں۔ ویسے تو یہ ایک حالت ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حال کو نظر ثانی میں بیان کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے، محدثین کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ الفاظ بیان کیے ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں، آپ بڑی بڑی باتوں کو مختصر اور جامع الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں، جبرائیل کے سوال کے جواب میں آپ نے ایک جملے میں پورا مضمون سمو دیا۔ ہر محسن، مومن بھی ہے اور مسلم بھی ہے لیکن ہر مسلم مومن نہیں، ہر مومن

محسن نہیں ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

" اٰمَنَّا" وہ بولے ہم اسلام لائے۔تو فرمایا: نہیں بلکہ یوں کہو "قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا" کہو کہ ہم اسلام لائے۔یعنی ایمان تو ابھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

احسان کا لغت میں معنی ہے: اچھائی یا بہترین چیز۔اسی سے احسن ہے محسن ہے، محسنین ہے۔یہ یہی قرآن پاک میں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔قرآن میں اس بارے میں مختلف آیات آئی ہیں۔"وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" (البقرہ:83) لوگوں سے اچھی بات کہو۔

کوئی بھی اچھا عمل اگر اپنی بہترین حالت میں آرہا ہے تو اُسے ہم احسان کہیں گے۔

قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے:

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل:90)

ترجمہ: اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

ایک عام انفرادی طور پر قرآن میں یوں آیا:

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمٰن:60)

ترجمہ: یہاں احسان بھلائی اور نیکی کے معنی میں آیا ہے۔

اور ایک جگہ اور آیا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران:124)

ترجمہ: اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (البقرہ:112)

ترجمہ: جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لیے وہ محسن ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (القمان:22)

ترجمہ: جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے پیش کر دیا وہی محسن ہے۔

یہاں بھی لفظ محسن استعمال ہوا۔

خلاصہ کلام

اس حدیث میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اساس اور دین کی بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے یعنی ایمان کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ یہ ان عقائد ونظریات سے تعبیر ہے جن کو جاننے اور ماننے کے بعد کوئی آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور مومن بنتا ہے ''اسلام'' کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس سے وہ عملی ذمہ داریاں فرائض مراد ہیں جو مومن پر عائد ہوتی ہیں اور ان عملی ذمہ داریوں یعنی فرائض کی انجام دہی پیرو اسلام یعنی مسلمان بناتی ہے اس کے بعد احسان کی وضاحت کی گئی جس کو اخلاص سے (یا تصوف سے بھی) تعبیر کیا جا سکتا ہے یہ اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد و نظریات سے وابستگی اور شریعت کی اتباع و فرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اور بندے کو اپنے معبود کا تقرب عطا کرتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاری و نافذ کیئے ہوئے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور عمل اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس وقت تک حسن قبول کا درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ کی

طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی و خارجی وجود پر خوف الٰہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو اور ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک فکر و عقیدہ صحیح نہ ہو۔ دل و دماغ ایمان و یقین سے روشن نہ ہوں۔ پس کامل مومن یا کامل مسلمان وہی آدمی مانا جائے گا جس کا دل و دماغ میں ایمان یعنی صحیح اسلامی عقائد و نظریات کا نور موجود ہو، پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام و ہدایات کی کامل اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ جاری و نافذ کئے اور پھر ریاضت و مجاہدہ یعنی ذکر و شغل اور اوراد و وظائف کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضاء مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان و اسلام میں حسن و کمال اور بلند مقام ملتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص درجہ اسلام پر فائز ہو وہ مسلم ہے، جو مرتبہ ایمان پر فائز ہو وہ مومن ہے جو مقام احسان پر فائز ہو وہ محسن ہے، اور یہی مطلوب و مقصود شریعت ہے۔ صوفیہ کرام جس کیفیت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں بھی آگے تین درجے ہیں جو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں۔

انبیاء کرام کے مراتب و قرب کا تعلق

امام ابو القاسم القشیری علیہ الرحمہ واقعہ معراج کے تناظر میں تین جلیل القدر اور اولوالعزم رسولوں کے مقامات قرب کو آیات قرآنی کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنا مقام قرب اپنی زبان سے از خود بیان کرر ہے ہیں۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (الصافات:99)

ترجمہ: میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں۔

لہٰذا ان کا مقام مقام فرق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میقات الٰہی میں آمد کو رب ذو الجلال نے خود بیان فرمایا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا (الاعراف:143)

ترجمہ: جب موسیٰ ہماری حدود میں آیا۔

فرماتے ہیں یہ مقام فرق ہے۔ جانے والا خود کہہ رہا ہے کہ میں جا رہا ہوں۔ یک طرفہ کیفیت۔ دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں ہے۔ پہلے حضرت ابراہیم کہہ رہے تھے اور اب اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ جب موسیٰ ہماری حدود میں آیا۔ یہ مقام جمع ہے۔ تیسرا مقام ہے:

سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل:1)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

امام ابوالقاسم القشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ مقام جمع الجمع ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من تفقه و لم يتصوف فقد تفسق، و من تصوف ولم يتفقه فقد تذندق، و من جمع بينهما فقد تحقق

ترجمہ: جس نے فقہ بغیر تصوف کے حاصل کیا وہ فاسق ہے اور جس نے تصوف بغیر فقہ حاصل کیا وہ زندیق ہے اور جس نے دونوں کو حاصل کیا وہ محقق (جامع ظاہر و باطن) ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ کا فرمان

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

كذالك يفترض عليه علم احوال القلب من التوكل والخشية والرضاء۔۔۔ الخ [1]

اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے جیسے توکل، خشیت، رضا .... وغیرہ

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ کا فرمان

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

(علم القلب ای علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع الفضائل و كيفية اكتسابها وانواع الرذائل و كيفية اجتنابها ان علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين ازالتها فرض عين۔۔۔ الخ) [2]

ترجمہ: علم سلوک کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور عجب، حسد اور ریا ان کا ازالہ کرنا بھی فرض عین ہے۔

اور یہ امر تو ائمہ فقہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ "فرض عين افضل من الفرض الكفاية "یعنی فرض عین فرض کفایہ سے افضل ہوتا ہے۔

تصوف کا حصول فرض عین ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سورۃ التوبہ کی آیہ مَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَّنْفِرُوْا كَآفَّةً کی تفسیر کے سلسلے میں تصوف کے مقام اور اہمیت کی وضاحت فرماتے ہیں:

صوفیہ کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمرہ

۱۔ تعلیم المتعلمین: 12/1

۲۔ ردالمحتار بحث علم القلب 32/1

صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیہ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب تکبر، حسد، حب دنیا، حب جاہ، عبادات میں سستی، شہوات نفسانی، ریا، سمعہ وغیرہ اور اس کا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی رضا بالقضاء شکر نعمت اور مصیبت میں صبر وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کے لیے اعضا جوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو بے فائدہ ہے اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے۔[1]

حضرت امام مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص

شریعت بے طریقت نیست حاصل
طریقت بے شریعت نیست واصل

اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

۱۔ تفسیر مظہری، 324/4

بلال بن ابی بردہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

ہماری بڑی سے بڑی برائیاں بھی تمہیں ہمارا علم قبول کرنے سے باز نہ رکھیں۔

طاؤس کا قول ہے، جو کچھ سیکھو اپنے لئے سیکھو نہ دوسروں کے لیے، کیونکہ اب لوگوں میں امانت وحیا باقی نہیں۔

درس حدیث نمبر:4

حدیث ولی

حدیث ولی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال، قال رسول الله ﷺ: ان الله قال من عادیٰ لی ولیًا فقد اٰذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیءٍ احبّ الیّ مما افترضته علیه وما یزال عبدی یتقرّب الیّ بالنّوافل حتّی اُحبّه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الّتی یبطش بها ورجله الّتی یمشی بها وان سألنی لأُعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه وماتردّدت عن شیءٍ انا فاعله تردّدی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساءته"[1]

1- صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم:6021

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اُس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں اور سب سے زیادہ جو چیزیں میرے بندے کو میرا قرب عطا کرتی ہیں وہ فرائض ہیں اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں اُس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سُنتا ہے اور اُس کی بصارت بن جاتا ہوں، جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، اور میں اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اُسے عطا فرماتا ہوں، اور اگر وہ میری پناہ پکڑے تو ضرور میں اُسے پناہ دیتا ہوں، اور اپنے صادر کیے گئے کسی حکم میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کی موت کا حکم دیتے وقت ہوتا ہے، کیونکہ میرا بندہ اس کو ناگوار سمجھتا ہے اور میں اُس کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔

Narrated Hazrat Abu Huraira:

Allah's Apostle Said: I will declare war against him who shows hostility to a pious worshipper of Mine. And the most beloved things with which my slave comes nearer to Me, is what I have enjoined upon him; and My slave keeps on coming closer to Me through performing Nawafil (Praying or doing extra deeds besides what is obligatory) till I love him, so I become his sense of hearing with which he hears, and his sense of sight with which which he sees, and his hand with which he grips, and his foot with which he walks; and if he asks Me something, I will certainly give him, and if he asks My protection, I will protect him and I do not hesitate to do anything as I hesitate to take the soul

of such believer, for he hates death, and I hate to disappoint him". (Sahih Bukhari: Kitab Al-Riqaq)

شرح حدیث ولی

جس حدیث کا انتخاب کیا گیا ہے اُسے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب الرقاق میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث قدسی ہے: جس طرح ہم کہتے ہیں: کہ اس حدیث کو ابو ہریرۃ نے روایت کیا، یعنی کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا، اُسی طرح سے حدیث قدسی حدیث کی وہ قسم ہے جس کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب سے روایت کیا۔ حدیث قدسی دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک حدیث وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جبریل امین کے واسطے سے روایت کرتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبریل سے روایت کیا اور جبریل نے اپنے رب سے روایت کیا)۔ دوسری حدیث قدسی وہ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براہ راست اپنے رب سے روایت کرتے ہیں، اُس میں جبریل کا واسطہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کر رہے ہیں اور اللہ کے رسول اس کو ربّ العالمین سے روایت کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: جس شخص نے میرے کسی ولی سے دُشمنی رکھی۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں: جس نے میرے ولی کو اذیت دی۔ اور تیسری روایت میں ملتا ہے: جس نے میرے ولی کی توہین کی۔ دراصل یہ سب ہی اولیاء اللہ سے بُغض اور عداوت کے مختلف مظاہر ہیں۔ ولی کے معنی دوست، مددگار، قریب، وارث، نگران، سرپرست، جانشین، نائب کے ہیں۔ دو معنی جو ان میں سے انتہائی معروف ہیں، وہ ہیں دوست اور مددگار۔

حضرت سعدی شیرازی کہتے ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست، در پریشان حالی ودر ماندگی۔

دوست وہ ہوتا ہے جو مصیبت اور پریشانی میں دوست کے کام آئے۔ جب دوست مشکل میں ہو اور اُس وقت جو کام نہ آئے تو وہ دوست کس کام کا؟ اُس دوست کو کیا کرنا جو وقت ضرورت کام ہی نہ آئے۔

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

دنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے
اُس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دُشمنی کی تو میں اُس کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔ اصول یہ ہے، کہ جو دوست کا دُشمن ہوتا ہے وہ دُشمن ہے اور جو دوست کا دوست ہے وہ دوست ہوتا ہے۔ ربّ کائنات جس کی صفت قہار اور جبار ہے وہ اُس شخص سے اعلان جنگ کرتا ہے جو اللہ کے ولی (دوست) سے دُشمنی رکھے یا اُس کی توہین کرے۔

اس حدیث پاک کا پہلا جزو عقائد سے متعلق ہے اور دوسرا جزو اعمال سے متعلق ہے۔ قرآن میں آیا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:62)

ترجمہ: خبردار! اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

یہ قرآن پاک کی مشہور ترین آیت ہے جس میں براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دوستوں کے بارے میں بیان فرمایا کہ نہ اُنھیں کوئی خوف ہے، اور نہ کوئی غم ہے۔

شارحین کہتے ہیں جیسے قرآن میں اولیاء اللہ کی شان بیان کرنے کے لیے

درج بالا آیت ہے، اُسی طرح حدیث میں اولیاء اللہ کی شان کے بارے میں جو سب سے بڑی بات کی گئی ہے، وہ یہی حدیث ہے جس کا آج درس ہو رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا:

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: 31)

ترجمہ: (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

اسی طرح اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے: کہ جب میں کسی کو محبوب بناتا ہوں تو میری محبوبیت کے مظاہر یہ ہوتے ہیں کہ اُس محبوب کے میں کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، میں اُس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

یہاں جو فرمایا کہ میں اُس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں، اس کا ایک معنی یہ بھی ہے، کہ اُس کے ہاتھ میرے حکم کے خلاف نہیں چلتے، اُس کی آنکھ میرے امر کے خلاف نہیں اٹھتی، اُس کے کان میری شریعت کی مخالفت میں نہیں سُنتے، اُس کے پاؤں میرے حکم کے خلاف کہیں نہیں اُٹھتے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معنی ہے کہ میں اُس کی سماعت، بصارت، پکڑنے اور چلنے کی قوت کو اپنی حفاظت کے حصار میں لے لیتا ہوں۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ اللہ کے دوست اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ اللہ اُنھیں اپنے کرم سے اپنی رحمت، نصرت اور تائید کے حصار میں محفوظ کر لیتا ہے۔

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنی صفات کا مظہر بنا دیتا

ہے۔ علامہ اقبال نے بار بار مختلف پیرائے سے اپنی شاعری میں اس کا اظہار کیا، کہتے ہیں۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تُو، زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل! کہ مغلوب گُماں تو ہے

یعنی جس چیز کی کمی ہے وہ یقین ہے، تو پھر دوستی کیسے ہوگی، تعلق کہاں بنے گا، جب تیرے پاس ٹائم ہی نہیں ہے دوستی کا، تُو مادیت اور دنیاوی اُمور کے اندر اتنا مصروف ہوگیا ہے کہ تیرے پاس اپنے ربّ کو یاد کرنے کے لیے بھی وقت نہیں بچا تو پھر دوستی کا سلسلہ کیسے شروع ہوگا؟

پھر فرمایا کہ اگر وہ مجھ سے کسی بات پر پناہ مانگے تو وہ بھی اُسے عطا کرتا ہوں اور جب وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں ہر حال میں اُسے وہ دیتا ہوں جس کا وہ مجھ سے سوال کرتا ہے۔ ویسے تو عام قائدہ یہ ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ:186)

ترجمہ: اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔ لیکن یہاں فرمایا کہ میں ہر حال میں اُس کو عطا کرتا ہوں۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کُشا کارساز

رب العالمین نے اپنے بندوں کو یہ تصرف، طاقت اور اختیار عطا فرمایا کہ گویا

میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں، بصارت بن جاتا ہوں، اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔محدثین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ ولی کون ہوتا ہے؟

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ (یونس:63)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے۔

یعنی جو شخص صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ ہو وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ دوسری بات جو محدثین نے بیان کی وہ یہ کہ ولی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا بندہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اخلاص اور زہد اور تقویٰ عطا فرمائے، عالم باللہ ہو اور عالم باحکام اللہ ہو۔

عالم باللہ اور عالم باحکام اللہ میں فرق ہے

ایک وہ شخص ہے جو قرآن، حدیث، فقہ، شریعت کی باریکیوں سے واقف ہے، اُس کو کہیں گے عالم باحکام اللہ۔ یعنی اللہ کے نازل کردہ احکام کا عالم۔ دوسرا ہے عالم باللہ، یعنی اُس ذات کا علم رکھنے والا جس نے یہ سارے احکام نازل کیے ہیں۔

امام ابو القاسم القشیری کے حوالہ سے امام ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری'' میں اور امام عینی نے ''عمدۃ القاری'' میں نقل کیا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس دنیا میں بندے کے لیے جو قرب ہے، اُس کا مدار معرفت پر ہے کہ بندے کو اپنے مالک و مولا کی کتنی معرفت حاصل ہے اور آخرت میں اُس کے قرب کا مدار عرفان پر نہیں بلکہ رضوان پر ہوگا۔ یعنی بندے کا قرب معرفت الٰہی پر موقوف ہے، جیسے صوفیہ کہتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

ترجمہ: جس نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کر لی اُس نے اپنے رب کی

معرفت حاصل کرلی۔
اللہ کی سب سے جامع ترین مخلوق انسان ہے، امام غزالی جس کے بارے میں فرماتے ہیں: الانسان عالم الاصغر انسان خود ایک چھوٹی سی کائنات ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الذاریات:56)

ترجمہ: اور میں نے پیدا نہیں فرمایا جن وانس کو مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں "لِيَعْبُدُوْنَ" سے مراد ہے "لِيَعْرِفُوْنَ" بندہ جس درجہ اپنے رب کا عرفان حاصل کرتا چلا جاتا ہے، اُتنا ہی اُسے قرب الٰہی ملتا چلا جاتا ہے۔لیکن آخرت میں یہ قرب اللہ کی رضا پر موقوف ہوگا۔

امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ اور بشر حافی علیہ الرحمہ

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ مجتہدین میں سے ہیں۔آپ اپنے زمانہ کے ایک بزرگ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں جایا کرتے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ تو خود امام ہیں، لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، بہت سے لوگ آپ کی تقلید کرتے ہیں، اُسے چاہیے کہ آپ کی مجلس میں آکر استفادہ کرے، آپ کیوں اس درویش کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں؟ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ درست ہے کہ احکام کا علم میں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ رکھتا ہوں لیکن پھر بھی میں اُس کی صحبت کا محتاج ہوں کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا علم بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے۔یعنی شریعت کو میں زیادہ جانتا ہوں اور شریعت والے کو بشر حافی زیادہ جانتا ہے۔وہاں جا کر آپ جو فقرہ کہتے تھے: "حدثنی عن ربی" مجھے

رب کے بارے میں بتائیے۔

یہ وہ مقام اور وہ طلب ہے جو بڑے بڑے علماء کو اُٹھا کر صوفیہ کی بارگاہوں میں لے گئی۔ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ کون کون سے بڑے امام کس کس بڑے صوفی کے پاس استفادہ کے لیے جاتے رہے۔

مولانا روم علیہ الرحمہ اور شاہ شمس تبریز علیہ الرحمہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ جب درس دیتے تھے تو آپ کی محفل میں اُس وقت کے بڑے بڑے علماء بیٹھے ہوتے تھے۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مجذوب تھے، اُنھیں الہام ہوا کہ دنیا میں فلاں مقام پر جایئے اور اُس عالم کی اصلاح کریں، وہاں پہنچے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے۔ فرمایا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟

مولانا روم علیہ الرحمہ نے فرمایا:

این است کہ تو نمی دانی

میاں مجذوب! ترجمہ: تمہیں کیا پتہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کتابوں کا ڈھیر اُٹھایا اور پاس ایک حوض تھا، اُس میں پھینک دیا، مولانا کے اور سب علماء کے رنگ اُڑ گئے، اُس زمانے میں پرنٹنگ تو ہوتی نہ تھی، کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، کتابیں پانی میں ڈالنے کا مطلب تھا کہ مولانا کا سارا علم ڈوب گیا، تو مولانا نے شمس تبریز سے کہا کہ یہ کیا کر دیا تم نے؟ تو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

این است کہ تو نمی دانی

ترجمہ: یہ وہ ہے جو تو نہیں جانتا۔

پھر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے حوض میں ہاتھ ڈالا اور سب کتابیں اُس حوض سے خشک باہر نکال لیں۔ مولانا حیران ہوئے پوچھا، یہ تم نے کیسے کیا؟ تو شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ وہ جو تو بالکل ہی نہیں جانتا۔ تو مولانا کے اندر ایک تبدیلی آئی اور اُنھوں نے روحانیت و تصوف کو اختیار کیا۔ یہ بھی ایک الگ حقیقت ہے کہ اِس اُمت کے جتنے بڑے بڑے علماء گزرے ہیں، اُن سب کے پیچھے کسی نہ کسی کامل بزرگ کی توجہ اور تصرف رہا ہے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا

صحابہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت براء ابن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ سے پوچھا: کہ براء ابن مالک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، صحابہ نے عرض کی کہ حضور اگر وہ مجلس میں ہو تو کوئی دیکھتا نہیں اور نہ ہو تو کوئی اُس کے بارے میں پوچھتا نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں اُس کا مقام یہ ہے کہ یہ بکھرے ہوئے بالوں والا اور میلے کپڑوں والا براء ابن مالک رضی اللہ عنہ اگر اللہ کی ذات پر قسم کھالے تو اللہ پر لازم ہے کہ اللہ اُس کو پورا فرمادے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی صحابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستجاب الدعوات بنایا لیکن یہاں میں نے صرف ایک مثال پیش کی ہے۔ یہ لوگ اللہ کی محبوبیت کے اس درجہ پر فائز تھے کہ اگر وہ اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ اُنھیں ضرور عطا فرماتا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے کچھ ایسے دوست ہیں کہ بظاہر اُن کے حلیے ایسے ہوں گے کہ کوئی اُن کو دیکھ کر یہ نہ سمجھے گا کہ یہ کوئی بہت بڑا بزرگ ہے، لیکن اللہ کی

بارگاہ میں اُن کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ اللہ کی ذات پر کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ ہر حال میں اُس بات کو پورا فرما دیتا ہے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ جب جنگوں میں شریک ہوتے اور دشمن کا غلبہ ہوتا تو حضرات صحابہ حضرت برا ابن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف اکٹھا ہونا شروع ہوجاتے اور کہتے:

"یا براء اقسم علی ربك" اے براء! اپنے رب پر قسم کھا کہ اللہ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے۔ تو حضرت براء ابن مالک رضی اللہ عنہٗ اُس وقت اللہ تعالیٰ کو قسم دیتے کہ اے اللہ! مسلمانوں کو فتح عطا فرما۔ آپ کے دعا کرنے کے بعد جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ عطا کرتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کی محبت میں اتنے مست تھے کہ ایک دن ایک صحابی ایک غزوہ میں شریک تھے اور کہا کہ اے اللہ! آج جو میں تیری خاطر اس غزوہ میں شریک ہوا ہوں تو اب میں یہاں سے واپس نہ جاؤں، میں تیری راہ میں لڑوں اور لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں، بس آج یہ میری آخری دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی غزوہ میں اُنھیں شہادت کا منصب عطا فرمایا۔

عام طور پر اولیا اللہ کے بارے میں زیادہ بیان ہوتا ہے، صحابہ بھی اولیاء اللہ ہی ہیں، امتیاز یہ ہے کہ اُنھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ کرامت، تصرف اور کشف سب صحابہ ہی کی وراثت ہیں اور اُنہی سے آگے چلی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھی صحابہ میں ایسی تھی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا، تو اللہ کی بارگاہ میں ایک صحابی نے اپنے آنکھیں بند کر کے اللہ سے دعا کی:

یا اللہ! یہ آنکھیں جو تیرے محبوب کا چہرہ دیکھ چکی ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ اب تیرے محبوب کے چہرے کے علاوہ کسی اور چہرے کو دیکھیں میری بینائی واپس لے

لے۔لہٰذا بینائی اُسی وقت ختم ہوگئی۔

صحابہ اللہ اور اُس کے رسول کی محبت میں انتہائی مضبوط تھے اور یہی وراثت آگے چل کر اولیاء اللہ میں آئی۔اس حدیث شریف کے آخر میں اللہ کی شان کریمی کا انتہائی عجیب ترین بیان ہے، ویسے تو روزانہ بہت سے لوگوں کو موت آتی ہے لیکن یہاں فرمایا کہ جب میرے کسی دوست کے جسم سے روح جدا کرنے کا وقت آتا ہے اور ملک الموت اُس کے پاس جاتا ہے تو فرمایا کہ مجھے اپنے کسی دیئے ہوئے حکم میں کبھی اتنا تردد نہیں ہوا، جتنا اُس وقت اپنے ہی جاری کردہ حکم کے نفاذ کے وقت مجھے تردد ہوتا ہے کہ یہ جو میرا محبوب اور پیارا بندہ ہے، آج اِس کی روح اِس کے جسم سے جدا ہو رہی ہے جو میں نے ہی پھونکی تھی۔ مجھے اُس کی گرانی پر ناگواری محسوس ہوتی ہے، مجھ پر یہ گراں گزرتا ہے پھر میں اُس کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیتا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم ہی اگر ذہن میں رہ جائے تو بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔پہلی بات جو قرآن پاک میں بھی بیان ہوئی:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا (المائدہ:55)

ترجمہ:اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے مددگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب کوئی شخص میرے دوست کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے تو میں اُسے یہ اعزاز دیتا ہوں کہ بظاہر ہاتھ اُس کا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ میرا ہاتھ ہوتا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ حلق تو بندے کا ہوتا ہے لیکن اُس میں سے جو آواز نکل رہی ہوتی ہے وہ ربّ ذوالجلال کی ہوتی ہے۔

یہ اگر نبی کی زبان پر ہو تو وحی ہوتی ہے، اور اگر ولی کی زبان پر ہو تو الہام ہوتا ہے۔ یہ دونوں ثابت ہیں۔ اس حدیث مبارکہ میں ولی اللہ سے دوستی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

؎ حُبّ درویشاں کلید جنّت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

اللہ کے دوستوں کی دوستی ہی جنت کی کنجی ہے اور جہنم کا راستہ ہے، اللہ کے دوستوں سے دشمنی اور بُغض اولیا۔

یہاں میں کچھ باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ ہمارے رب نے اپنی دوستی کو اپنے دوستوں کی دوستی سے مشروط کر دیا ہے، اللہ کے ولیوں سے بُغض جس کا اس حدیث مبارکہ میں ذکر ہوا، کئی طرح کا ہوتا ہے، اس کو پرکھنے کا آسان طریقہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کے سامنے اللہ کے کسی دوست کا تذکرہ ہو اور وہ اپنے دل میں راحت اور فرحت کی کیفیت محسوس کرے، اُس کا دل کھل اُٹھے تو وہ سمجھ لے کہ میں مومن ہوں اور اگر اللہ کے کسی پیارے کی بات ہو اور اُس کا چہرہ مرجھا جائے تو وہ سمجھ لے کہ وہ منافق ہے۔

اس لیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اُس کا مالک ہے جب وہ کسی سے محبت رکھتا ہو اور بندہ اُس کی محبت سے بے نیاز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ جو بے نیاز ہے، غنی عن العالمین ہے، اللہ الصمد ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، اُس کو کسی کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کسی سے محبت کرے۔ اس شان استغنا اور شان بے نیازی کے باوجود وہ

جس کا اپنی محبت کے لیے انتخاب کرے، اُس کا اکرام اور اعزاز کرے اور اِس درجہ اعزاز و اکرام کرے کہ لوگوں کو شرک کا شبہ ہونے لگ جائے۔ جیسے ابلیس کو ہو گیا تھا، ابلیس بہت بڑا توحید پرست تھا، اللہ نے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرنا ہے، سرکاری حکم نامہ جاری ہوا کہ سب فرشتے اس خاکی بشر کو سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

اُس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آگ مٹی کے آگے جُھک جائے اور دوسری سوچ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے علاوہ میں کسی اور کو سجدہ کروں، پس یہ سوچ اُس کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ اللہ کے حکم کے آگے اُس نے اپنے ذہن اور اپنی سوچ کو آڑ بنالیا۔

یہ جان لیں کہ یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا کہ اللہ کہہ رہا ہو کہ اب میرے ساتھ آدم کی بھی عبادت شروع کر دو۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، یہ ناممکن ہے کہ ذات وحدہٗ لا شریک کسی کو اپنے علاوہ سجدہ کرنے کا حکم دے اور وہ سجدہ وہ ہو جو عبادت کا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سجدہ تعظیم و تکریم کا تھا، یہ کئی صدیوں تک رائج رہا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ تک یہ رائج رہا۔ آج بھی دنیا کے دوسرے مذاہب و اقوام میں آپ کو اس کی جھلک نظر آئے گی۔

قربِ فرائض اور نوافل کا فرق:

اس حدیث مبارکہ کا دوسرا اہم جزو فرائض اور نوافل سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی وضاحت کر دی کہ سب سے زیادہ میرے قرب کے حصول کا ذریعہ فرائض ہیں یعنی وہ چیزیں جو میں نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں۔ یہاں سے فرض اور نفل کا فرق بھی واضح ہوتا ہے۔

جو قرب فرائض سے میسر آتا ہے وہ نوافل سے نہیں ملتا، یہاں تک کہ جن نوافل کا مدار فرائض پر نہ ہو، وہ نوافل بذات خود بے کار ہو جاتے ہیں۔ یعنی نوافل اُس وقت کارآمد اور مفید ہوں گے جب آپ کے فرائض مکمل ہوں۔ بعض لوگ رمضان کی آمد پر نوافل پڑھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن رمضان جاتا ہے تو فرض نماز بھی یاد نہیں رہتی۔ یہ ایک طرح کی خود فریبی اور دھوکہ ہے۔

یہ اصول ہے کہ جس شخص کے ذمہ فرض ابھی باقی ہوں یا قضاء ہو گئے ہوں، اُس کے نوافل قبول نہیں ہوتے۔ اُس کو چاہیے کہ اپنی پچھلی فرض نمازیں جو چھوٹ گئی ہیں وہ پہلے ادا کرے ورنہ وہ ایک طرح کی خود فریبی ہو گی۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ ایسا شخص ہے جیسے کوئی بیل سے بچہ مانگ رہا ہو، یعنی اس کی عبادت کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

فرائض کے ساتھ دوسری اہم بات جو نفلی عبادات سے افضل ہے، وہ حرام چیزوں سے بچنا ہے۔ فرائض کو ادا کرتا ہے اور حرام چیزوں سے بچنا، یہی تقویٰ ہے۔ جو شخص اللہ کے حکم کردہ کو ادا کرے اور منع کردہ سے رُک جائے وہ ہی متقی ہے۔ فرائض کی ادائیگی اور حرام چیزوں سے بچنا، یہ ہمارے دین کی بنیاد ہیں۔ یہاں آپ ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جو کچھ اس حدیث میں بیان ہو رہا ہے، اُس کے مخالف جو بھی بات ہو گی اُس کا نتیجہ بھی اُس کے مطابق ہی ہو گا۔ جیسا کہ فرمایا کہ جس نے میرے دوست کے ساتھ دُشمنی رکھی اُس کے ساتھ میرا اعلان جنگ (دُشمنی) ہے تو یہ بات واضح (Understood) ہو گی کہ جس نے میرے دوست کے ساتھ دوستی رکھی، اُس کے ساتھ میری بھی دوستی ہے۔ اسی طرح جیسا قرب الٰہی فرائض کے ساتھ مل سکتا ہے ویسا قرب الٰہی کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ بندہ بتدریج نوافل کے ذریعے میرا قرب

حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر دوست محبوب بھی ہو، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی دوست تو ہے لیکن وہ خود ہمارا مُحبّ ہے، وہ اپنے جذبہ محبت کے ذریعے ہمیں دوست رکھے ہوئے ہے کہ اُسے ہم سے محبت ہے، کچھ دوست ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے محبوب ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ فرائض اور نفل دونوں مقام محبوبیت کے حصول کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف نفل سے ہی محبوبیت حاصل ہوگی۔ یعنی فرائض کوادا کر لینے کے بعد اب جو نفلی عبادات ہیں اُن کی کثرت کا تسلسل قائم رکھنے سے وہ میرے قرب کے مدارج طے کرتا جارہا ہے، یہاں تک کہ وہ مقام محبوبیت پر فائز ہو گیا۔

یہاں یہ سوال ذہن میں اُٹھ سکتا ہے کہ قرب تو اللہ ہی کا ہے، چاہے فرائض سے ہو چاہے نوافل سے ہو۔ پھر فرض اور نفل ادا کرنے میں فرق کیا ہوا؟ یہ بہت باریک نکتہ ہے۔

فرض کریں کہ ایک شخص فرائض ادا کر رہا ہے اور نوافل وغیرہ کوئی نہیں پڑھ رہا تو وہ شخص بہترین راستہ پر گامزن ہے، وہ اللہ کے قرب کے راستہ پر جارہا ہے جبکہ ایک شخص صرف نوافل پڑھ رہا ہے، مستحبات، مباہات جو آج کل ہمارے دینی حلقوں میں بہت رائج ہیں، جو اضافی چیزیں ہیں، جن کے بارے میں سوال نہیں ہونا، ہم لوگ اُن پر زور دیتے ہیں جیسا کہ تسبیحات، اذکار، وظائف۔ یہ سب اضافی چیزیں ہیں۔ جیسے آپ کے گھر کی آرائش (Decoration) ہوتی ہے۔ گھر کی بنیاد ہوگی تو آرائش ممکن ہو گی۔ فرائض بنیاد ہیں، در و دیوار ہیں۔ جب دیوار ہی نہیں ہو گی تو Paint کہاں کریں گے۔ ایک اور اہم بات یہ کہ علم دین حاصل کرنا فرض کے درجہ میں ہے، حدیث شریف میں ہے:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم [1]

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہمارا ایک طرح کا مزاج بن چکا ہے کہ درس کے دوران ہمارے حضرات اذکار میں مشغول ہوتے ہیں جو کہ مستحبات اور نوافل کے زمرہ میں آتے ہیں۔ درس جو فرض ہے، اُس میں کیسے دھیان لگے گا اگر آپ تسبیحات میں مشغول ہیں۔ جبکہ علم حاصل کرنا خود ذکر ہے اور یہ مجموعہ عبادات ہے۔ آپ ذکر کر بھی رہے ہیں، ذکر سُن بھی رہے ہیں۔ درس بیک وقت علم بھی ہے اور ذکر بھی ہے۔ اجر و ثواب آپ کو ہر ہر لمحہ مل رہا ہے جب تک آپ درس میں شامل ہیں۔ درس کی محافل اتنی اہم ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

تدارس العلم ساعة من اللیل خیر من احیائها [2]

ترجمہ: ایک گھڑی علم دین سیکھ لینا ساری رات جاگ کر نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

نیک لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک ابرار ہیں، اور دوسرے مقربین ہیں۔ ابرار وہ ہیں جو نیکیوں کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، مقربین وہ ہیں جو نیکیوں اور عبادات کے ساتھ ساتھ آزمائش اور امتحان سے بھی گزرتے ہیں جیسے انبیاء کرام علیہم السلام گزرے۔ باوجود کہ وہ انتہائی قرب کے مقام پر فائز تھے پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء پر آتی ہیں اور سب انبیاء سے زیادہ آزمائشیں مجھ پر آئیں ہیں۔

۱- سنن ابن ماجہ، المقدمہ، رقم: 220

۲- سنن دارمی، المقدمۃ، رقم: 266 عن ابن عباس۔

یہ ہے اللہ کی دوستی کی معراج۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ صرف میرا Label ہی لگا کر دوست بنا ہے یا میری خاطر کچھ کرتا بھی ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قربانی لی اور وہ خلیل بنے۔ جس درجہ کی دوستی ہوگی، اُسی درجہ کا امتحان ہوگا۔

ایک شخص عمل کر رہا ہے حصول جنت کے لیے اور جہنم سے پناہ کے لیے۔ یہ بھی اللہ کا بندہ ہے اور یہ ٹھیک کر رہا ہے۔ یہ شریعت کے عین حکم کے مطابق ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو مالک حقیقی کی رضا کے لیے عمل کر رہا ہے۔ عمل دونوں کا ایک جیسا ہے۔ دونوں ایک ہی مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن نماز کے جو نتائج اور ثمرات ہیں اُن میں زمین و آسمان کا فرق آ رہا ہے، اُس کے باطنی اخلاص اور نیت کیوجہ سے۔

ایک کی منزل جنت ہے اور دوسرے کی منزل مالک جنت ہے۔ اسی طرح صوفیہ کہتے ہیں کچھ لوگ حج کرتے ہیں اور اُن کی نظر کعبۃ اللہ تک ہوتی ہے اور کچھ لوگ حج کرتے ہیں تو اُن کی نگاہ رب کعبہ پر ہوتی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جنت میں اللہ کی رضا جنت سے بڑھ کر ہے اور دوزخ میں اللہ کی ناراضگی دوزخ سے بدتر ہے۔ فرائض اور نفل کے بارے میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی اہم بات بیان کی ہے، فرماتے ہیں: اللہ کی طرف جانے والے راستے دو طرح کے ہیں، ایک کو طریق ولایت کہتے ہیں، اور دوسرے کو طریق نبوت کہتے ہیں۔

یعنی کوئی بھی شخص جو روحانیت و سلوک کا سفر طے کر رہا ہے وہ ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستے پر ہوگا۔ اسی طرح اللہ رب العالمین کی بارگاہ سے جو فیض صادر ہوتا ہے وہ بھی دو طرح سے ہی ملتا ہے۔ فرض کرلیں دو دائرے ہیں۔ ایک کا نام دائرہ ولایت ہے جبکہ دوسرے کا نام دائرہ نبوت ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر نبی

ولی بھی ہوتا ہے لیکن کوئی ولی نبی نہیں ہوتا۔

یعنی ایک فیض وہ اپنے ربّ کی بارگاہ سے بطریق ولایت حاصل کرتا ہے اور ایک فیض اپنے ربّ کی بارگاہ سے بطریق نبوت لے رہا ہوتا ہے۔ یہ نبی کا خاصہ ہے، ولی کا نہیں۔ ولی صرف ولایت کے راستے سے ہی فیض لے رہا ہوتا ہے۔ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے تابع ہے۔ عالم روحانیت میں بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ کوئی ولی موسوی المشرب ہوتا ہے۔ جیسے Blood Group ہوتے ہیں، اُسی طرح روحانیت کے بھی Group ہوتے ہیں۔ کسی کی روح کا گروپ موسوی ہے، کسی کا عیسوی ہے، کوئی ابراہیمی ہے اور کوئی کوئی ہے جو محمدی ہے۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی روحیں وہ ہوتی ہیں جو محمدی المشرب ہوتی ہیں۔ نفل اور فرض میں آسان الفاظ میں فرق وہی ہے جو نبی اور ولی میں ہے۔ فرض عبادت کے فرائض اور ثمرات وہ ہوتے ہیں جو فیوضات نبوت ہیں اور نفلی عبادت کے فوائد وثمرات وہ ہوتے ہیں جو فیضان ولایت ہیں۔ جس وقت آپ فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں تو اُس کا فیض دائرہ نبوت سے آرہا ہوتا ہے اور جس وقت کوئی نفلی عبادت کر رہے ہوتے ہیں تو اُس کا فیض دائرہ ولایت سے آرہا ہوتا ہے۔ نبوت کا فیض باوجود غیر نبی ہونے کے اُمتی کو ملتا ہے جس طرح ایک نوکر، غلام، خادم (ایک ادنیٰ ترین شخص) بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا رہا ہو۔ لیکن اس دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے وہ بادشاہ نہیں بن گیا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جعلت قرّة عيني في الصلاة[1]

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

1۔ سنن نسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء: 1/575

"الصلاۃ معراج المؤمن" ترجمہ: نماز مومن کی معراج ہے۔
تو مومن معراج اور سدرۃ المنتہٰی پر تھوڑا ہی چلا جاتا ہے بلکہ باوجود ایک نوکر اور خادم ہونے کے اُسے اُس شاہی دسترخوان پر کھانا کھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ یعنی لنگر نبوت اُسے نصیب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے پیاروں کی محبت و دوستی عطا فرمائے اور فرائض اور نوافل دونوں کے ذریعے اپنا قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!
والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عالم کا حق یہ ہے کہ نہ اس پر بہت زیادہ سوالوں کا بوجھ ڈالو، نہ اسے جواب دینے پر مجبور کرو، نہ اس کا راز فاش کرو، نہ اس کی عیب جوئی کرو، اسے ٹھوکر لگے تو عذر قبول کرو، جب تک امر الٰہی پر استوار ہے، اس کی عزت کرو، اس کے آگے نہ بیٹھو اور ضرورت پیش آئے تو سب سے پہلے اس کی خدمت پر کھڑے ہو جاؤ۔

درس حدیث نمبر:5

الحُبّ فی اللہ والبُغض فی اللہ

(اللہ کے لیے محبت، اللہ کے لیے دشمنی)

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن ابی هریرة رضی الله عنهٗ قال قال رسول الله ﷺ ان الله اذا احب عبدا دعا جبرئیل علیه السلام فقال: انی احب فلانا فاحبه قال فیحبه جبرئیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان الله یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء قال ثم یوضع له القبول فی الارض و اذا ابغض الله عبدا دعا جبرئیل فیقول انی ابغض فلانا فابغضه قال فیبغضه جبرئیل ثم ینادی فی اهل السماء ان الله یبغض فلانا فابغضوه قال فیبغضونه ثم توضع له البغضاء فی الارض۔[1]

1۔ صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب اذا احب عبدا امر جبرئیل: 331/2

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔تو جبرائیل کو بلاتا ہے فرماتا ہے میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کرو۔فرمایا جبرائیل اس سے محبت کرتا ہے پھر آسمان والوں میں منادی کرتا ہے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں، اے آسمان والوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔تو زمین میں بھی اللہ کے اس دوست کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔اور جب اللہ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے یہ جبرائیل کو طلب کرتا ہے اور فرماتا ہے میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تم بھی اس سے بغض کرو۔جبرائیل بھی اس سے بغض رکھتا ہے اور پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے اس لیے اے آسمان والوں تم سب بھی اس سے بغض رکھو۔وہ سب اس سے بغض رکھتے ہیں پھر زمین کے اندر بھی اس کے لیے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض

اس سے پہلے والے دروس میں میں نے عرض کیا تھا، بلاشبہ قرآن اور حدیث ہمارے لیے منبع علم ہیں، سرچشمۂ ہدایت ہیں۔مسلمان کے لیے علم کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن وحدیث ہیں۔لیکن اس کا ایک بہت بڑا اور عظیم پہلو جس کو فراموش کر دیا گیا ہے، وہ اس کلام کی صحبت اور برکات کا حصول ہے۔

ائمہ محدثین کا یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو شخص حلقۂ حدیث میں حاضر ہے، وہ گویا حلقۂ نبوی میں حاضر ہے۔کلام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے وہ صاحب کلام کی صحبت بالواسطہ طور پر حاصل کر رہا ہے۔اس لیے ائمہ نے اس مجلس کے وہی آداب لکھے ہیں جو آداب صحابہ کرام کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوتے تھے

اور جو آداب کسی مسلمان کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہیں، وہی آداب مجلس حدیث نبوی کے ہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ مدینہ میں مسجد نبوی شریف میں مسند رسالت پر بیٹھ کر حدیث پڑھاتے تھے۔ یعنی صاحب حدیث کی بارگاہ میں بیٹھ کر حدیث پڑھانا، یہ ایک الگ تجربہ اور الگ کیفیت ہے۔ میں نے ذاتی طور پر الحمدللہ اس کی لذت پائی ہے۔

یہ اہل مدینہ کی روایت چودہ سو سال سے چلی آ رہی ہے، وہاں رمضان المبارک میں عصر سے مغرب ایک حدیث کا حلقہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی اُس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ امام مالک کے حلقۂ حدیث میں خلیفۂ وقت بھی طالب علموں کی طرح آ کر بیٹھ جاتا تھا، علم حدیث کے شائقین بہت دور دراز سے سفر کر کے آپ کے حلقۂ درس میں حاضری دیتے تھے۔ افریقہ تک سے اُس وقت لوگ آتے تھے۔ اسی لیے فقۂ مالکی افریقہ میں زیادہ ہے۔ اُس زمانہ میں سمندر کا سفر کرنا، جب یہ بھی یقین نہیں ہوتا تھا کہ پتہ نہیں پہنچنا بھی ہے یا نہیں۔ یا پھر پیدل سفر کر کے آنا۔ جس طرح نماز میں زیادہ لوگ ہوں اور امام کی آواز دور والے لوگوں تک نہ پہنچے تو کچھ صفیں چھوڑ کر مکبّر کھڑا کر دیتے ہیں اسی طرح پرانے زمانہ میں جب حلقہ حدیث بہت بڑھ جاتا تو چند صفیں چھوڑ کر ایک شخص کھڑا کر دیا جاتا جسے مستملی کہتے ہیں، وہ شیخ سے سُن کر اگلوں کو سُناتا، جن تک شیخ کی آواز نہیں پہنچ رہی۔ تاکہ شیخ سے روایت کرنے والوں میں اُن کا شمار براہ راست ہو جائے۔ یہ محدثین کا ایک طریقہ تھا۔

آداب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جب امام مالک علیہ الرحمہ کا حلقہ بہت بڑھ گیا، تو شاگردوں نے عرض کی کہ

حضور یہاں کوئی مستملی کھڑا کر لیا جائے تا کہ جو لوگ دور ہیں آواز نہیں سُن سکتے، اُن تک بھی آپ کی بیان کردہ حدیث پہنچ جائے۔تو امام مالک علیہ الرحمہ نے جو عذر پیش کیا، فرمایا لوگو! یہ یاد رکھو کہ ہم اس وقت کہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم جس بارگاہ میں بیٹھے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔

یعنی آج بھی بعد از وصال روزۂ انور، حرم شریف کے اندر بیٹھے ہوئے شخص کے لیے وہی آداب مطلوب ہیں کہ یہاں اپنی آواز کو بلند نہیں کرنا۔اس عذر کی وجہ سے امام مالک نے فرمایا کہ یہاں مستملی کھڑا نہیں ہوسکتا۔

یمن میں کوئی محدث بیٹھا ہوا ہو تو چاہے پچاس مستملی کھڑے ہو جائیں کوئی حرج نہیں، شام میں بیٹھا ہوا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ہم تو بارگاہ رسالت میں بیٹھے ہیں۔

اس لیے حضرات گرامی! یہ جو حلقۂ حدیث ہے، اس کے بہت آداب ہیں اور پھر ان آداب کو بجا لانے سے وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن کی طرف میرا اشارہ ہے۔

صوفیہ کرام یہ فرماتے ہیں کہ کلام متکلم کی صحبت کا فائدہ دیتا ہے۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، کہ امام ترمذی کی کتاب الجامع الترمذی، جس گھر میں اور جس جگہ پر کھلی ہوئی ہو، گویا اُس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر گفتگو فرما رہے ہوتے ہیں۔ (بستان المحدثین)

یہ ایسا حلقہ ہے جو آج ہمیں خوش نصیبی سے میسر ہے۔اس لیے برکات حدیث

کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھ کر یہاں بیٹھیں اور استفادہ کریں۔

ہمارا آج کا مضمون ہے: اللہ کے لیے دوسروں سے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لیے دوسروں سے بُغض رکھنا۔ یہ بہت ہی دلچسپ، خوبصورت اور ایمان افروز موضوع ہے، جس کو حدیث کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں:

الحب فی اللہ البغض فی اللہ

یہ مضمون اتنا پیارا ہے کہ میں چاہ رہا تھا کی اس کی شرح ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے فرامین سے کریں "شرح الحدیث بالحدیث" یعنی حدیث ہی کے ذریعے حدیث کی شرح ہو اور زیادہ سے زیادہ ہمارا وقت حدیث کی برکات حاصل کرنے میں صرف ہو۔

اللہ کے ولی کی محبت

وعن انس رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ قال: ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان: ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما، وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ، وان یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یقذف فی النار[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کے اندر پائی جائیں گی، وہ ایمان کی حلاوت کو پالے گا۔

۱۔ اللہ اور اس کا رسول اُسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔

۲۔ وہ جس کسی سے محبت کرے صرف اللہ کی رضا کے لیے کرے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب، خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان

۳۔ایمان لانے کے بعد وہ کفر میں لوٹ جانے سے ایسے ہی ڈرے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے سے ڈرتا ہے۔

یہاں یہ بات آپ نوٹ کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کے ساتھ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا بھی ذکر کیا۔یعنی یہ دونوں محبتیں لازم وملزوم ہے کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی آپ کا محبوب ہو اور اُس کا محبوب آپ کا محبوب نہ ہو، کوئی آپ کا دوست ہو اور اُس کا دوست آپ کا دوست نہ ہو۔اسی طرح کوئی آپ کے دوست کا دُشمن ہو اور وہ آپ کا دُشمن نہ ہو۔

یعنی اللہ کی محبت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھی مذکور اور مطلوب ہے۔اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو دو کر کے نہیں بلکہ ایک کر کے بیان کیا ہے۔یہ دونوں محبتیں ایمان کی بنیاد ہیں۔

اسی لیے بخاری، مسلم اور صحاح میں جو کتاب الایمان کی روایات ہیں، اُس میں محدثین نے علیحدہ علیحدہ باب باندھے ہیں، کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ رکھے اُس کا ایمان نہیں۔یعنی ایسے شخص کے ایمان کی نفی کر دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن انس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والد، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جاؤں۔

تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ میں اُسے اُس کے ماں

۱۔ کتاب الایمان، باب، حب الرسول من الایمان

باپ، اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

امام بہبانی علیہ الرحمہ نے ایک بڑا خوبصورت نکتہ بیان کیا، فرماتے ہیں: انسانی محبت کا جب آغاز ہوتا ہے، تو وہ اللہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے۔ ہم اگر اللہ کے رسول سے بھی سب سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں اور سب سے زیادہ اُنھیں چاہتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ اللہ بھی اُنھیں سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لہٰذا ہمارے بھی محبوب اعظم ہیں۔ تو گویا محبت کی بنیاد ہر جگہ حب فی اللہ ہے۔

یہی اُسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہمیں عطا فرمایا گیا اور یہی وہ بات تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب اعظم بنایا۔ آپ نے اپنی فکر، سوچ، اور محبت کا مرکزی نکتہ ذات باری تعالیٰ کو بنایا اور اس حد تک بنایا کہ اُس سے زیادہ انسان کے بس میں نہیں۔ اُس کا اجر یہ ملا کہ اللہ نے آپ کو محبوب اعظم بنا دیا کہ اب اللہ کی محبت کا مرکز بھی یہی ہیں اور اللہ کی ساری مخلوق کی محبت کا مرکز بھی یہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور دشمنی کرنا

اللہ ربّ العالمین کے لیے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لیے بُغض رکھنا، یہ ایک ایسا عمل ہے کہ بعض روایات میں اس کو نماز، روزہ اور جہاد سے بھی زیادہ اہم فرمایا گیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیامۃ: این المتحآبون بجلالی الیوم اظلّھم فی ظلی یوم لاظل الا ظلی [1]

---

[1] مسلم: کتاب البر، باب فضل الحب فی اللہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے، فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، میرے جلال کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کہاں ہیں، آج میں اُن کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔

اُس محشر سامانی کے اندر، حشر کے دن رب العالمین کی بارگاہ سے ایک ندا آئے گی، کہاں ہیں وہ لوگ جو دنیا میں صرف میرے جاہ وجلال اور میرا غلبۂ محبت کی وجہ سے آپس میں محبت کیا کرتے تھے، جنھیں میری محبت نے ایک چھت کے نیچے جمع کیا۔ آج میں اُن کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا کروں گا اور آج وہ دن ہے جس دن سوائے میرے سایۂ رحمت کے کسی سائے کا وجود ہی نہیں۔ آج میں انھیں سائبان رحمت عطا کروں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل الا ظله: امام عادل وشاب نشأ فی عبادة الله (عزوجل) ورجل قلبه معلق بالمساجد، ورجلان تحابا فی الله اجتمعا علیه وتفرقا علیه ورجل دعته امرأة ذات حسن وجمال فقال انی اخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه ورجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایۂ رحمت میں لے لے گا جس دن اُس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عادل بادشاہ کو، وہ

۱۔ بخاری: کتاب الرقاق، باب البکاء من خشیۃ اللہ

نوجوان جو اللہ کی عبادت کرتا ہوا جوان ہوا، وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو، وہ دو شخص جو اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور اسی محبت پر وہ آپس میں ملتے ہوں اور اسی محبت پر وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں، وہ آدمی جسے حسین و جمیل عورت اپنی طرف دعوت دے تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جو صدقہ کرے تو اُسے اتنا پوشیدہ رکھے کہ اُس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اُس نے دائیں ہاتھ سے خرچ کیا ہے، وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے تو اُس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔

اُن سات لوگوں (خاص الخاص) میں سے ایک گروہ اُن لوگوں کا ہو گا، جنھیں اللہ تعالیٰ اپنا سایۂ رحمت عطا کرے گا، جس دن اُس سایۂ رحمت کے کوئی سایہ نہیں ہو گا، رب العالمین کی بارگاہ سے ان میں سے ایک گروہ اُن لوگوں کا ہے جو آپس میں صرف اللہ کے لیے محبت رکھتے ہوں گے۔

قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی یہ صفت بیان کی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور وہ جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

صحابہ میں بے شمار اوصاف تھے لیکن صحابہ کا جو خاص وصف قرآن نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے نرم ہیں۔ مومنوں کی اس باہمی محبت کے بارے میں سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ (الحشر:9)

ترجمہ: اور اُن کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان پر ثابت قدم ہیں محبت کرتے ہیں اُن سے جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آئے۔

اس کے علاوہ بھی بہت ساری آیات ہیں، جیسے سورۃ البقرۃ میں ایک آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ:165)

ترجمہ: جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یہ جو ذوقی محبت ہے، میں یہ سمجھتا ہوں، کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لیے دنیا میں پیغمبر، نبی اور رسول آئے۔ انسانوں کے باطن میں یہ بوٹی لگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا۔ جیسا کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو

ولی کو ولی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور باقی جس کسی سے بھی کرتا ہے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

عن ابی هریرة رضی الله عنه، قال قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لا تدخلوا الجنّة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحآبوا، اولا ادلکم علی شیء اذا فعلتموه تحاببتم ؟ افشوا السلام بینکم [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک مومن نہ بن جاؤ اور مومن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک چیز نہ بتاؤں کہ تم اُس پر عمل کرو تو

ا۔ مسلم: کتاب الایمان، باب ان اللہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون)

ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو عام کرو۔

یہ نسخہ بھی سمجھایا کہ آپس میں محبت پیدا کیسے ہوتی ہے۔ایک فطری محبت ہوتی ہے جو اولاد کے لیے ماں باپ کے دل میں، ماں باپ کے دل میں اولاد کے لیے، اسی طرح دنیا میں جتنے بھی رشتے ہیں یہ محبت انسانوں میں ہی نہیں بلکہ جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔میں اس محبت کی بات نہیں کر رہا۔

بات ہو رہی ہے اُس محبت کی جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔یعنی انسان یہ سمجھے کہ یہ بھی اُسی ربّ کا بندہ ہے جس کا میں بندہ ہوں اور اُسی ربّ کو اپنا معبود و مقصود اور مطلوب حقیقی سمجھتا ہے، جس کو میں اپنا معبود حقیقی سمجھتا ہوں۔اس محبت کے مظاہر آپ کو حضرات صحابہ میں نظر آئیں گے، اس کے بعد میں عرض کرتا ہوں۔

ہمارے ہاں ایک اصطلاح ہے ''پیر بھائی'' کی۔میں اکثر یہ مثال عرض کر دیا کرتا ہوں کہ بعض لوگ اپنے پیر بھائیوں سے بہت محبت کرتے ہیں اور ہونی بھی چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ میرے شیخ و مرشد کا مرید ہے اور اُن سے وابستہ ہے لیکن اگر اِس کی حدود کو اور بڑھا لیں تو یہ احادیث جتنی بھی ہم پڑھیں گے، ان کی روح سمجھ آئے گی۔جب اس کو اور بڑھائیں کہ یہ شخص ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمتی ہے۔

جس کو علامہ اقبال نے کہا:

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

وہ کہتے ہیں کہ ہم سب لوگ جس تعلق کی وجہ سے آپس میں وابستہ ہیں وہ تعلق یہ ہے کہ ہم سب کا محبوب ایک ہی محبوب حجازی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ایک ہی محبوب کے سارے محب ہیں۔ایک ہی آقا کے سارے غلام ہیں اور ایک ہی نبی کے سارے اُمتی ہیں۔میں سمجھتا ہوں یہ تعلق اُس تعلق سے بہت بڑا، گہرا اور اہم ہے۔اب اگر

اس کو اور ذرا بڑھا دیں، جس سے زیادہ بڑھانا ممکن نہیں وہ یہ ہے کہ یہ اُسی ربّ کا بندہ ہے جو میرا بھی خالق و مالک ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کہتے ہیں:

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہار ایم

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر رنگ و نسل کی تمیز کرنا مسلمان ہونے کے ناطے حرام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم تو ایک ہی بہار کے پروردہ ہیں۔ ہم کالے تھے یا گورے تھے، سرخ تھے یا سفید تھے، ہم سب کو ایک ہی بہار نے نوازا ہے۔ جو چودہ سو سال پہلے وادیٔ فاران سے اُٹھی تھی، اُسی بہار نے ہمیں پروان چڑھایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

وعن ابی هريرة رضی الله عنه، عن النبی ﷺ ان رجلاً زار اخا له فی قرية اخرى فارصد الله تعالىٰ على مدرجته ملكا فلما اتى عليه قال: اين تريد؟ قال: اريد اخا لی فی هذه القرية، قال: هل لك عليه من نعمة تربها عليه؟ قال: لا، غير انی احببته فی الله تعالىٰ، قال: فانی رسول الله اليك بان الله قد احبك كما احببته فيه[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی کسی دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی کو ملنے کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی حفاظت کے لیے اس کے راستے پر ایک فرشتہ متعین فرما دیا، جب وہ شخص اُس فرشتے کے پاس سے گزرا تو اُس فرشتے نے پوچھا: کہاں جا رہے

۱۔ مسلم: کتاب البر، باب فضل الحب فی اللہ: مسند احمد: 292/2، ابن حبان رقم: 572، الترغیب والترہیب: 605/3، رقم: 4436)

ہو؟ اُس نے کہا کہ میں ایک گاؤں میں اپنے بھائی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تم پر اُس کا کوئی احسان ہے جس کی خاطر تو اُس سے ملنے جا رہا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اُس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خوشخبری کے ساتھ تیری طرف بھیجا گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے اسی طرح محبت کرتا ہے، جس طرح تو نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس شخص سے محبت کی۔

جانے والے کا اُس شخص سے کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے اور نہ ہی اُس سے کوئی کام ہے بلکہ وہ یہ سفر صرف اور صرف اس لیے کر رہا ہے کہ وہ بھی اُسی ربّ کو چاہتا ہے میں بھی اُسی ربّ کو چاہتا ہوں۔ جس پر فرشتہ اُسے بشارت سُناتا ہے کہ میں اللہ کا فرشتہ ہوں اور اللہ نے مجھے بھیجا ہے اور اللہ تمہیں یہ کہتا ہے اے بندے! جس طرح تو اُس شخص کو چاہتا ہے، تیرا ربّ اُس سے بڑھ کر تجھے چاہتا ہے۔

حضرت ابوادریس خولانی علیہ الرحمہ کا فرمان

وعن ابی ادریس الخولانی رحمه الله قال: دخلت مسجد دمشق فاذا فتیً برّاق الثّنایا واذا النّاس معه فاذا اختلفوا فی شیء اسندوه الیه وصدروا عن رأیه فسالت عنه فقیل: هذا معاذ بن جبل رضی الله عنه، فلما کان من الغد هجّرت فوجدته قد سبقنی بالتهجیر ووجدته یصلی فانتظرته حتی قضی صلوته ثم جئته من قبل وجهه فسلمت علیه ثم قلت: والله انی لاحبك فقال: آالله؟ فقلت: الله۔ فقال: آالله؟ فقلت: الله، فاخذنی بحبوة ردآئی فجبذنی الیه فقال: أبشر فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول: قال الله تعالیٰ

وجبت محبتی للمتحآبین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین [1]

ترجمہ: حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرمایا میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک نوجوان کو دیکھا جس کے دانتوں سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، بہت سے لوگ اُس کے گرد جمع تھے اور جب اُن لوگوں کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو وہ سب اُس نوجوان کی طرف رجوع کرتے اور اُس کی رائے پر عمل پیرا ہوتے، میں نے جب لوگوں سے اُس نوجوان کے متعلق پوچھا تو کہا گیا کہ یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرے دن میں صبح صبح اُس مسجد میں گیا تو وہ مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے اور میں نے اُن کو حالت نماز میں پایا، میں نے انتظار کیا، حتیٰ کہ آپ نے نماز مکمل کی، پھر میں اُن کے پاس گیا اور اُنھیں سلام کیا اور اُس کے بعد میں نے عرض کیا بخدا! میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اُنھوں نے کہا خدا کی قسم؟ میں نے عرض کیا خدا کی قسم۔ اُنھوں نے ایک بار پھر پوچھا خدا کی قسم؟ میں نے عرض کیا خدا کی قسم۔ اُنھوں نے میری چادر کے پلو کو پکڑا اور مجھے اپنی جانب کھینچ کر فرمایا تمھیں خوشخبری ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری محبت واجب ہوگئی اُن لوگوں کے لیے جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میری رضا کی خاطر ایک دوسرے سے ہم نشینی کرتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری ہی رضا کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بڑے پیارے صحابی ہیں، جوانی ہی میں آپ

1۔ موطا امام مالک: کتاب الجامع، باب کالمتحابین فی اللہ، صحیح ابن حبان: رقم: 577، 575، الترغیب والترہیب: 605/3، رقم: 4437

کی وفات ہو گئی تھی، غالباً بتیس سال عمر تھی، جب آپ اس دنیا سے چلے گئے، یہ وہ شخص ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کے قاضی کے طور پر منتخب کیا، یہ دمشق میں بہت عرصہ علم کا مرکز اور منبع بن کر رہے اور وہاں فروغ حدیث کی خدمت کی۔ ان کا حلقۂ حدیث جامع مسجد دمشق میں لگتا تھا۔ اُس وقت ان کی عمر تقریباً بیس بائیس سال تھی۔

اب دیکھنے والے کے الفاظ سُنیئے، کیسے قدر شناس لوگ تھے، یہ دیکھنے والے راوی خود امام ہیں، بہت بڑے تابعی ہیں، ابی ادریس الخولانی ان کی کنیت تھی۔ فرماتے ہیں میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا، دیکھا کہ وہاں ایک نوجوان بیٹھا ہے، جس کے سامنے کے دانتوں میں سے نور کی کرنیں نکل رہی ہیں یعنی اس کا معنی ہے، کثیر تبسم، خوش ذوق، اور خوش طبعی کی حالت میں وہ نوجوان بیٹھا ہے، اور اس کے اردگرد بڑے بڑے بزرگوں کا، لوگوں کا ایک حلقہ ہے اور وہ سب لوگ، جب گفتگو میں کوئی اختلاف ہوتا ہے، تو وہ اُس نوجوان کی جانب رُخ کرتے ہیں۔

اب صحابہ میں اس کی مثال دیکھیں، بعض واقعات کو ہم سرسری سُن جاتے ہیں لیکن اگر اس پس منظر میں سنیں تو صحیح سمجھ آتا ہے اور پھر ہمارے عمل کی جو گنجائش ہے وہ ہمیں نظر آتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، آپ کے بیٹے عبدالرحمن بن ابی بکر، بدر میں کافروں کی طرف سے آئے، جب اسلام قبول کر لیا، تو اپنے والد سے عرض کی ابا جان! بدر میں آپ میری تلوار کی زد میں تھے، لیکن میں نے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو میری تلوار کی زد میں آجاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

یعنی کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں باپ ہونے کے ناطے میں تجھے چھوڑ دیتا تو میں اُس محبت کی نفی کر دیتا جو مجھے اللہ اور اُس کے رسول سے ہے۔

حضرات صحابہ کے ساتھ زندگی میں کئی بار اس طرح کے واقعات پیش آئے، لیکن اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جس محبت کا دعویٰ کیا تھا، وہ ہر چیز سے بڑھ کر پیشِ نظر رہا۔

محبت آزمائش چاہتی ہے، اس کے بغیر محبت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھ لیں، اُنھیں جو مقام خُلّت ملا ہے اور اس محبت میں اُنھیں جو آزمائشیں آئی وہ بھی دیکھ لیں، جس ادا کو اللہ نے سُنّت ابراہیمی بنا دیا۔

محبت کو آزمائش کی بھٹی میں پگھلایا جاتا ہے، اُس کے بعد پھر اس کی سند ملتی ہے، ورنہ یہ قصہ کہانی ہوجاتی ہے۔ کہنے کہلانے کی باتیں ہوجاتی ہیں، سُن لیا ماشاء اللہ، سبحان اللہ کہہ دیا لیکن مومن کا آزمائش کے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بارے میں امام ابن عربی نے لکھا ہے: بہت ہی سخی تھے، فیّاض تھے، اور مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، ایک دن آپ کے دسترخوان پر ایک مجوسی آ گیا، بوڑھا تھا، اسّی سال سے زیادہ عمر تھی، سفید ریش تھا، آپ نے کھانا اُس کے سامنے لگا دیا اور فرمایا پڑھ میرے رب کے نام سے، اور شروع کر، اُس نے کہا میں تو آپ کے ربّ کا نام نہیں لیتا، اب یہ بھی ایک جذبۂ محبت تھا کہ میرے ربّ کا تو نام نہیں لیتا تو جا پھر میں تجھے کھانا کیوں کھلاؤں، میرا تیرے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اُس نے کہا، نام لینا تو کیا میں تو آپ کے ربّ کو مانتا ہی نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ پہلے میرے ربّ پر تو ایمان لا پھر کھانا کھا، میں تو کھانا جسے بھی کھلاتا ہوں اُسی کی رضا کے لیے کھلاتا ہوں، اُس نے کہا میں تو نام نہیں لیتا، وہ اُٹھ کر چل پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی: ابراہیم خلیل یہ کتنے سال کا بوڑھا ہے، یہ مجھے نہیں مانتا، اس کے باوجود میں اسے 80 سال سے روزی دے رہا ہوں۔ یعنی تنبیہ فرمائی، ابراہیم علیہ السلام اُس شخص کے پیچھے دوڑے، فرمایا، بھائی آجاؤ، تم مانو نہ مانو کھانا تو کھالو، اُس نے کہا، جناب آپ کو ہوا کیا ہے، کس چیز نے آپ کو مجھے واپس بلانے پر مجبور کیا ہے، فرمایا، خدا کے بندے، میرا رب جس کا میں خلیل ہوں وہ تیری خاطر مجھ پر عتاب فرماتا ہے اور مجھے تنبیہ کرتا ہے اور اُسی ربّ نے جس کا تو نام لینے کو تیار نہیں تھا، اپنے اس خلیل کو تیرے پیچھے بھیجا ہے، اُس نے کہا وہ تو پھر بڑی عظیم ذات ہے، جو اپنے دشمن کی خاطر دوستوں کو تنبیہہ کرتا ہے وہی اس لائق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔ رب تو وہی ہوسکتا ہے جو بے نیاز ہو۔ دوست کی دوستی سے بے نیاز ہو اور دشمن کی دشمنی سے بے نیاز ہو۔ پہلے مجھے اُس کے حلقۂ عبودیت میں داخل کرو، پھر مجھے اُس کے نام پر اُس کا رزق کھلاؤ۔

ایک اور مسئلہ یہ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شخص سے محبت کرتا ہو تو اُسے اُس شخص کے سامنے اس کا اظہار کر دینا چاہیے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ہمیں درس ملتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی کریمة المقداد ابن معد یکرب رضی اللہ عنه، عن النبی ﷺ قال: اذا احبّ الرّجل، اخاہ فلیخبرہ انه یحبه[1]

حضرت ابو کریمہ مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرتا ہو تو اسے چاہئے کہ اسے بتادے کہ وہ اُس سے محبت کرتا ہے۔

وعن معاذ رضی اللہ عنه، ان رسول اللہ ﷺ: اخذ بیدہ

1۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب اخبار الرجل بحبۃ، سنن ترمذی: کتاب الزہد، باب فی اعلام الحب

وقال: یا معاذ! واللہ! انی لاحبك ثم اوصیك یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوۃ تقول: اللھم اعنی علی ذکرك و شکرك و حسن عبادتك[1]

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اے معاذ! میں تمھیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا ترک نہ کرنا: اے اللہ! میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کرو، تیرا شکر ادا کروں اور تیری عمدہ عبادت کروں۔

اس حدیث کو مسلسل فی المحبہ۔ محدثین اس کی اجازت دیتے اور لیتے ہیں۔ مجھے بھی بعض محدثین سے اس کی اجازت ہے۔

مجھے اس حدیث مبارکہ کی اجازت استاذی حضرت علامہ علی احمد سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ (م، ۲۰۱۳ھ) سے ہے اور اُنھیں اس حدیث مبارکہ کی اجازت سید محمد بن علوی المالکی المکی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اسی طرح اُن کا سلسلہ آگے مشہور و معروف ہے۔ مسجد نبوی شریف کے اندر مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی۔

وعن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا کان عند النبی ﷺ فمرّ رجل بہ فقال: یا رسول اللہ! انی لاحب ھذا۔ فقال لہ النبی ﷺ: اعلمتہ۔ قال: لا، قال: اعلمہ فلحقہ فقال: انی احبك فی اللہ، فقال: احبك اللہ الذی احببتنی لہ[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی وہاں سے گزرا، اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ!

۱۔ ابوداؤد: ابواب القدرۃ، باب فی الاستغفار، رقم: 1522، الترغیب والترہیب: 450/2

۲۔ ابوداؤد: کتاب الادب، رقم: 5125

مجھے اس شخص سے محبت ہے۔ فرمایا: کیا تو نے اس کو بتا دیا ہے؟ عرض کی: نہیں، فرمایا: اس کو بتا دو۔ وہ شخص گزرنے والے شخص سے جا ملا اور کہا: میں اللہ کے لیے تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے محبوب رکھے جس طرح تو نے مجھ سے محبت کی۔

گویا یہ قولی اور فعلی سُنّت ہے۔ یعنی یہ کرنے کا کام ہے جو میں آپ کو بیان کر رہا ہوں۔ یہاں اس بات کا درس دیا جا رہا ہے کہ محبت اظہار چاہتی ہے، محبت اخفاء کا نام نہیں، اسی لیے حدیث پاک میں ہے: اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمت کا اظہار بندے پر ہوتا ہوا دیکھے، یہ اللہ کو محبوب ہے۔

ہماری بندگی کے قولی، فعلی، مالی، بدنی جتنے بھی مظاہر ہیں، وہ اصل میں بندہ اپنے رب سے محبت کا اظہار ہی تو کر رہا ہوتا ہے۔

عبادت کے جتنے بھی طریقے ہیں، اُن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں اور حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ بعض لوگ حقوق العباد کو علیحدہ کر کے بیان کرتے ہیں، اسلام میں حقوق العباد وہی ہیں جو اللہ کے لیے ہوں اور جو اللہ کے لیے نہ ہوں وہ کوئی حقوق العباد نہیں ہیں۔

یہ بنیاد ہے کہ وہ عمل عبادت ہے جو اللہ کے لیے کیا گیا ہو، چاہے بندوں کے حقوق کی ادائیگی یا اللہ کی عبادت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) ہو۔ یعنی ہر عمل عبادت اُس وقت بنتا ہے جب کرنے والے نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو۔ ورنہ اُس کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المؤمن مراۃ المؤمن[1]

ترجمہ: یعنی مومن، مومن کا آئینہ ہے۔

یعنی تم میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ آئینہ ہمیں ہماری خوبیاں بھی دکھاتا ہے اور ہماری خامیاں بھی بتاتا ہے۔ یعنی مومن کو مومن کے لیے آئینہ فرمایا۔ اور تعلیم یہ دی کہ آئینہ تمہارے عیبوں کو مشتہر نہیں کرتا، آئینہ تمہارے عیبوں کو دیکھنے، جاننے کے باوجود اُن کی تشہیر نہیں کرتا بلکہ فرمایا بھائی کو اپنے بھائی میں کوئی عیب نظر آئے تو وہ اُسے دور کردے۔

مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے:

جو دنیا میں ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت کرنے والے ہیں، جنت میں اللہ جو اُنھیں مقامات عطا کرے گا وہ ایسے ہوں گے کہ جس طرح زمین پر رہنے والے لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں، جنّتی جنّت کے فرش پر کھڑے ہو کر اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو ایسے ہی دیکھا کریں گے، جنّتی ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں، فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔

عام ستارے تو آسمان پر سب کو ہی دکھائی دے رہے ہوتے ہیں، لیکن فرمایا کہ یہ وہ ستارے ہوں گے، جب آسمان کے اُفق پر ایک موٹا ستارہ چمک رہا ہوتا ہے، جتنا واضح نمایاں اور شان وشوکت سے وہ نظر آرہا ہوتا ہے، اُس کے دائیں بائیں ویسا کوئی ستارہ نہیں ہوتا۔ اس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

یہ وہ جذبہ اور کیفیت ہے جس کو بڑا زور دے کر قرآن وسُنّت میں بیان کیا گیا

ا۔ ابوداؤد: کتاب الادب، رقم: 4918

اور آپ نے یہ سُنا ہوگا صحابہ کرام کی سیرت میں اس کی جھلک نظر آتی ہے، یعنی جنگ کا میدان بھی ہو، جان پر بنی ہوئی ہو، تو وہ آپس میں اللہ کے لیے جو محبت ہے اُسے بھولتے نہیں۔

صحابی کا جنگ میں زخمیوں کو پانی پلانا

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلا رہا تھا تو آواز آئی پانی۔ کہتے ہیں میں پانی لے کر دوڑا، اُس زخمی کے لبوں کو لگایا، تو ایک اور آواز آئی: پانی، تو اُس صحابی نے کہا، یہ دوسری آواز والے بھائی کو پہلے پلا دو، میں دوڑا دوڑا اگلے صاحب کے پاس گیا، اُن کے لبوں کے قریب کیا، تو ایک اور آواز آئی، پانی، تو اُن صحابی نے بھی کہا کہ پہلے اِس آواز دینے والے کو پلا دو، وہ پانی پلانے والے صحابی کہتے ہیں کہ میں اس طرح سے سات مختلف لوگوں کے پاس گیا، اور جب ساتویں شخص کے قریب گیا تو وہ جام شہادت نوش کر چکے تھے، لوٹ کر پچھلے کے پاس آئے تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے، اسی طرح وہ واپس جس جس کے پاس آئے سب جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

صحابہ کے اندر یہ کیفیات عملاً پائی جاتی تھی۔ صحابہ کے بعد تابعین میں اور اُن کے بعد تبع تابعین میں، اولیاء کرام میں یہ کیفیات منتقل ہوتی رہی۔ امام قشیری نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف بہت ظالم شخص تھا، اُس کے بارے میں کہتے ہیں، شکایت آئی کہ یہ جو صوفیہ ہیں یہ کوئی سازش کر رہے ہیں، ان کا نوٹس لیا جائے، اُس نے سپاہی بھیجے اور ان لوگوں کو اپنے دربار میں بلوا لیا اور اُنھیں کہا کہ تمہارے خلاف یہ شکایت آئی ہے، صوفیہ کرام جو اللہ کی خاطر وقف ہو چکے تھے، اُن کے مفادات اور ترجیحات ہی بدل چکی تھی، اُنھوں نے کہا جو بھی الزامات ہم پر ہیں اگر آپ ٹھیک سمجھتے ہیں اگر

ثابت ہوتا ہے تو ہمیں سزا دے دیں، حجاج بن یوسف نے کہا یہ تو بالکل خاموش ہیں اور اپنی کوئی صفائی نہیں پیش کر رہے ہے، نہ بچنے کے لیے کوئی عُذر پیش کر رہے ہیں، اس کا مطلب ہے ان پر جو الزام لگا ہے وہ ٹھیک ہے۔ جلاّد کو کہا کہ ان کی گردنیں اُڑا دو۔ وہ تین لوگ تھے، جب جلاّد اُن کی طرف بڑھا اور اُنھیں پکڑ کر لٹانے لگا تو وہ تینوں ایک دوسرے کو دھکا دے کر آگے ہونے لگے کہ پہلے مجھے سزا دو، حجاج بن یوسف نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے، کیا تمہیں پتا نہیں کہ تم موت کی طرف جا رہے ہو، اُنھوں نے کہا جی ہمیں پتہ ہے، لیکن ہمیں جو سبق دیا گیا ہے اُس کی پہلی شق ہی یہ ہے کہ اگر تمہارا سانس چل رہا ہو اور تمہارے بھائی کی گردن کٹ گئی تو سمجھو تم نے ساری عمر ضائع کر دی۔

حجاج بن یوسف نے اُن سب کو دوبارہ دربار میں بلوا کر کھڑا کیا اور کہا کہ جس نے بھی ان کے خلاف شکایت کی ہے وہ بالکل غلط کہتا ہے۔ ان کا طرزِ عمل بتا رہا ہے، ایک دوسرے کا اتنا احساس کرنے والا شخص اور موت سے محبت کرنے والا شخص کبھی سازشی نہیں ہو سکتا۔ سپاہیوں سے کہا ان کو جہاں سے لائے ہو وہیں واپس چھوڑ آؤ۔

ایک بہت اہم بات میں بیان کر رہا ہوں اسے نوٹ کر لیں۔ وہ یہ ہے کہ علماء کرام نے اقوال محفوظ کیے اور صوفیاء کرام نے احوال محفوظ کیے ہیں۔ قرآن، حدیث، اور فقہ کو علماء نے محفوظ کیا ہے اور صوفیہ کرام نے احوال محفوظ کیے ہیں۔ احوال کو محفوظ کرنا بہت بڑا کمال ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کے احوال کو محفوظ کر لے، یہ بہت بڑا کام ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی یہ روایت ہے، جس کو امام مالک نے مؤطا میں، امام احمد ابن حنبل نے مُسند میں، امام ترمذی نے اپنی

کتاب الجامع میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، یعنی یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ بخاری و مسلم دونوں جس حدیث کی صحت پر اتفاق کرتے ہوں۔
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو امام مسلم نے کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنهُ قال قال رسول الله ﷺ ان الله اذا احب عبدا دعا جبرئيل عليه السلام فقال : انى احب فلانا فاحبه قال فيحبه جبرئيل ثم ينادى فى السماء فيقول ان الله يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء قال ثم يوضع له القبول فى الارض و اذا ابغض الله عبدا دعا جبرئيل فيقول انى ابغض فلانا فابغضه قال فيبغضه جبرئيل ثم ينادى فى اهل السماء ان الله يبغض فلانا فابغضوه قال فيبغضونه ثم توضع له البغضاء فى الارض [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ ربّ العزت کسی بندے سے محبت کرتا ہے یعنی اُس شخص کے اللہ تعالیٰ کی توجہ کے دائرے میں داخل ہوتے ہی، اُس کی دوستی شرف حاصل کرتے ہی، اُس کو یہ اعزاز ملتا ہے کہ سید الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں، اور پھر جبریل امین کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو اللہ نے اپنا محبوب بنالیا ہے، فلاں شخص سے اللہ محبت رکھتا ہے، اے جبریل! تم بھی اُس سے محبت رکھو۔ اب اس میں ایک تعلیم یہ بھی دی جارہی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھے، اللہ کی ساری مخلوق پر لازم ہے کہ وہ بھی اُسے دوست رکھے، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹکرا جائے گا۔

---

[1] صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب اذا احب عبدا امر جبرئیل: 331/2

یعنی ایسا نہ ہو کہ اللہ تو ایک شخص سے محبت رکھتا ہو لیکن اللہ کی مخلوق، یہاں میں اللہ کی مخلوق کا لفظ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ اللہ کی مخلوق میں فرشتے، جنّات، انسان، حیوان سب شامل ہیں بلکہ اس میں نباتات اور جمادات بھی شامل ہیں۔ مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اُسے دوست رکھے، یہ بندگی کا تقاضا ہے۔

اس لیے مخلوقات میں سے جو باعتبار جنس سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، فرشتے جو نوری ہیں، اُن کے سردار کو طلب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندے کو دوست بنایا ہے، اس لیے اے جبریل اب تم بھی اُس سے محبت رکھو اور پھر جبریل امین اس محبت کو اپنے اندر سمونے کے بعد، اسے اس بات پر بھی مامور کیا جاتا ہے کہ اہل السماء میں یہ منادی کروا دو کہ فلاں ابن فلاں جو زمین پر رہتا ہے اللہ اُس سے محبت رکھتا ہے، تمام آسمان والے بھی اللہ کے اس بندے کو محبوب رکھیں۔

اب تمام ملائکہ آسمانوں میں اس کی محبت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ یہ بندہ محبوبیت کے منصب پر فائز ہو گیا ہے۔ اللہ کا دوست بن گیا ہے۔ تو اے نوری مخلوق اللہ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تو تم بھی اُس سے محبت رکھو۔ تمام اہل آسمان کو حکم دیا جاتا ہے۔ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایک بالشت ایسی نہیں، جہاں پر اللہ کا فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو۔ تو تمام اہل سماع اُس بندے کو محبوب بنا لیتے ہیں۔

صحیح بخاری کے متن میں ہے کہ زمین میں بھی اللہ کے اُس دوست کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، لوگوں کے دلوں میں اُس شخص کی محبت ڈال دی جاتی ہے اللہ کے لیے۔ لوگ اُس سے محبت رکھتے ہیں، اُس شخص کی طرف کشش محسوس کرتے ہیں۔

صحیح مسلم کے اندر اس کا اگلا حصہ ہے جو ویسے تو اسی متن کے اندر موجود ہے۔

جس طرح محبت کے اعلانات ہوتے ہیں، اسی طرح بُغض کے بھی اعلانات ہوتے ہیں، وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ بُغض رکھے، اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں میں جب

کسی شخص کا شمار ہوتا ہے۔ یہ جو ہمیں دعا سکھائی گئی:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (الفاتحہ:7)

ترجمہ: نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

جب اللہ کسی شخص سے بُغض رکھتا ہے تو پھر بھی یہی کیفیت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ جبریل کو طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے بُغض رکھتا ہوں، اس لیے تم بھی اس سے نفرت کرو۔ جبریل امین بھی اُس شخص سے بُغض رکھتے ہیں اور پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ فلاں شخص سے بُغض رکھتا ہے، اس لیے اے اہل آسمان! تم سب بھی اُس شخص سے بُغض رکھو۔ وہ سب اُس سے بُغض رکھتے ہیں اور پھر زمین کے اندر بھی اُس کے لیے بُغض رکھ دیا جاتا ہے، اہل زمین اُس سے نفرت کرتے ہیں اور اُس سے کراہت محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ بھی لوگوں کو پرکھنے اور اُن کے احوال کا جائزہ لینے کا ایک معیار ہے۔

ترمذی شریف میں جو اس حدیث شریف کا متن آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ حدیث بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ (مریم:96)

ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا۔

اسی سے اللہ کی ایک صفت ''ودود'' بھی واضح ہوتی ہے، یہ بھی محبت کی ایک کیفیت اور ایک پہلو ہے اور محبر کا بڑا کمال پہلو ہے۔ تو فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں، ایمان کے ذریعے اور اعمال صالحہ کے ذریعے۔

ان اولیاءہ الا المتّقون

ترجمہ: سوائے متقین کے اُس کے اولیاء کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ (یونس:62,63)

ترجمہ: سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو دوست رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے اپنے بندوں کے دلوں میں بھی ایک محبت ڈال دیتا ہے، شفقت پیدا کر دیتا ہے، نرمی پیدا کر دیتا ہے اور کشش پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اب درجہ بہ درجہ ہے، جس کے اندر جس طرح کی کشش اللہ کے دوستوں کے لیے پائی جائے اور یہ بھی اللہ کی دوستی کے حصول کا نسخہ کیمیا ہے۔ اُس نے تو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے، تقویٰ و طہارت کے ذریعے اور دن رات خشیت و زہد کو اپنا کر یہ منصب پایا ہوگا۔ ہماری شریعت نے یہ اصول بتا دیا کہ اگر کوئی اس راستے سے نہ جا سکے اور اُس میں یہ صلاحیت نہ ہو تو وہ یہ نسخہ اپنائے۔

المرء مع من احبّ[1]

ترجمہ: آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اُس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو کسی گروہ سے محبت رکھتے ہوں لیکن اُن سے ملا بھی نہیں، اُن کا زمانہ بھی نہیں پایا، تو حضور نے فرمایا: یاد رکھو کہ وہ شخص قیامت کے دن اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

1۔ صحیح بخاری: کتاب الادب، باب، علامۃ الحب فی اللہ: 911/2

من أحبّ قوماً فهو منهم

ترجمہ: جو جس قوم سے (محبت) رکھے گا، وہ اُنہی کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

اب محبت کیا ہے؟ اس لفظ کو ایک ایسی اہمیت حاصل ہے جو دوسرے الفاظ کو حاصل نہیں، اکثر الفاظ کے معنی بدل جاتے ہیں جب اُنھیں ہیں کسی اور زبان میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن عربی کا یہ لفظ اکثر زبانوں میں انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے اس کو اتنا پسند کیا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے لیے بھی، بندوں کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ (المائدہ:54) فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے برے اعمال سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا، جن کے اندر یہ صفت ہوگی کہ اللہ اُن سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔

اللہ کی یہ بھی صفت آئی ہے قرآن میں:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ (البقرہ:222)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا اور ستھروں کو پسند کرتا ہے۔

یہ سب اللہ کی دوستی کے ذرائع ہیں، ان میں سے کسی بھی طریقہ سے اللہ کی دوستی حاصل کی جاسکتی ہے۔ سب سے بڑا جو پیمانہ ہمیں بتایا وہ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (ال عمران:31)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ فرما دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔

یہاں اللہ تعالی نے اپنی محبت کو اپنے محبوب ﷺ کی اتباع سے مشروط کر دیا۔ کہ اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے نبی کی اتباع کرو۔

یہاں تھوڑا سا فرق یہ بتایا کہ پہلے تو تم اس کوشش میں تھے کہ اللہ تمہیں اپنے محبین میں ہی شامل کر لے تو بڑی بات ہے لیکن اگر میرے محبوب کی اتباع کرتے ہوئے آؤ گے تو کیفیت یہ ہوگی کہ پہلے تم اللہ کی محبت ڈھونڈ رہے تھے، پھر اللہ تمہیں

محبوب بنا لے گا۔ پھر اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔

مولانا حسن رضا بریلوی نے اس ترجمہ یوں کیا:

اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے
اُس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی یہ مختلف جہتیں ہیں اور اس میں جو آسان ترین چیز ہے وہ یہ ہے کہ اُن لوگوں سے محبت کرو جو اللہ سے محبت کرتے ہیں یا اللہ جن سے محبت رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

المرء علی دین خلیله [1]

ترجمہ: بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

اس میں بھی دو پہلو ہیں۔ اگر اُس کا دوست صاحب ایمان ہے، صاحب حال ہے، تو یہ جو بھی ہے یہ قیامت کے دن اُس کے دین پر اُٹھے گا۔ یہ وہ فلسفہ ہے۔

المرء مع من احب

اہل عرفان کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے، صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ ہمارا محبوب حقیقی تو بس ایک ہی ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہر عارف اور اللہ کا ہر کامل ولی قیامت کے دن اللہ کے ساتھ ہوگا۔

امام قشیری نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خراز علیہ الرحمہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں آپ سے معذرت کرتا ہوں کہ مجھے اللہ کی محبت سے ابھی فرصت ہی نہیں ہے کہ میں آپ سے محبت کر سکوں۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوسعید خراز! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی اور میری محبت میں کوئی فرق نہیں ہے؟ اللہ کی محبت میری ہی محبت ہے اور میری محبت اللہ کی محبت ہے۔

۱۔ جامع ترمذی: ابواب الزہد: 2/63

اسی طرح سیدہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا، ان کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ساتھ تعلق کا راستہ کھلا ہونا میں سمجھتا ہوں بہت بڑی بات ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اس دنیا میں رہتے ہوئے یہ کام کر سکتا ہے۔ کیونکہ "لا رهبانية فی الاسلام" اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اسلام جنگلوں میں، بیابانوں میں اور ویرانوں میں جا کر عبادت کرنے کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام نے جو راستہ دیا ہے وہ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اللہ کے قرب اور اللہ کی محبت کا جو سب سے محفوظ راستہ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کے باب میں محبت کے بہت سارے معنی لکھے ہیں جن کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے: کہتے ہیں کہ محبت ایک ایسے شفاف تعلق کا نام ہے، جس میں کوئی دراڑ نہ ہو، جس میں کسی قسم کا غبار نہ ہو۔ جس میں کوئی غیر نہ ہو۔ یہ جو کلمہ طیبہ میں ہے:

لا الہ الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی نفی۔

یعنی جس شخص کو اس کلمہ کی حقیقت تک رسائی ہوگی اور وہ اپنے اس عقیدے میں مخلص ہوگا، اُس کے اندر یہ وصف لامحالہ پایا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی اور کو کسی بھی حال میں ترجیح نہیں دے گا۔ یہ ہے محبت کا حقیقی معنی۔ اس کیفیت کو اگر کوئی بندہ اپنے دل کے اندر جاننا چاہے، پرکھنا چاہے تو یہ لفظ "حُب" جو ہے یہ "حبةٌ" سے ہے۔ جس کے معنی ہیں "بیج"۔ جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ تو مومن کے دل کے اندر جب اللہ کی محبت کا بیج بویا جاتا ہے تو اُس میں جو پھل لگتا ہے وہ توحید ہے، اللہ کی وحدانیت۔ اور غیر اللہ کی نفی۔

"لا الہ الا اللہ" کی حقیقت تک رسائی کا یہ ایک راستہ ہے اور یہ اُس کے

ثمرات ہیں، دونوں لازم وملزوم ہیں۔ یعنی جس شخص نے "لا الہ الا اللہ" صدق دل سے پڑھا ہوگا، وہ اس کیفیت کو جان لے گا۔ یہ اُس کا حال ہوگا۔

ایک بات میں اور عرض کردوں کہ شرک کی جتنی بھی اقسام ہیں، اُن میں سب سے بدترین قسم "اللہ کی محبت میں کسی کو شریک کرنا" ہے۔ کیونکہ یہ غیرت الٰہیہ کہ خلاف ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گوارہ نہیں کرتا۔ باقی سب شرک ظاہری اقسام ہیں جیسے کسی کو سجدہ کر دیا، ان سے بھی ظاہر ہے ایمان چلا جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی توجہ بندے کے دل پر رہتی ہے، دل کا حال کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم[1]

ترجمہ: بے شک اللہ تمہاری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اللہ تمہارے ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے، دل کی کیفیت کیا ہے، ظاہر باطن کے تابع ہے اور جسم دل کے تابع ہے۔ دل اس سلطنت کا بادشاہ ہے۔ اگر بادشاہ ہی غیروں سے ملا ہوا ہو تو پورے ملک کا کیا بنے گا۔ سلطنت تو لامحالہ بادشاہ کے تابع ہے۔ جب اس نے دشمن کے ساتھ تعاون کیا ہوگا، شیطان اور نفس کے ساتھ ملا ہوا ہوگا تو پھر ظاہر ہے اُس سلطنت میں شیطان کا حکم چل رہا ہوگا، رحمٰن کا نہیں۔ ایسا شخص جتنے بھی نیک اعمال کر رہا ہوگا وہ سب ناقص ہوں گے۔ اُن میں غیر اللہ کی آمیزش ہوگی۔

"لا الہ الا اللہ" کا معنی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی

1۔ صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم وخذلہ: 317/2

مطلوب نہیں، اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں، اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ یہ اس کلمہ طیبہ کی مکمل شرح ہے۔

اگر ان چار شرائط پر پورا اترتا ہے تو اُس کا دعویٰ خالص ہے اور اگر اُس کا مطلوب کچھ اور ہے اور مقصود کچھ اور ہے تو پھر یہ محض ایک الفاظ کا مجموعہ ہے، جو وہ اپنی تسلی کے لیے زبان سے دہراتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت سے محروم ہے۔

اولیائے کرام اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی محبت کا ذائقہ چکھا ہے، اللہ کی بارگاہ کے سچے طالب ہیں، صحیح بخاری کے کتاب الرقاق میں ہے، یہ روایت ایسی ہے جس کو ایک صحابی نے صحابی سے روایت کیا۔ ایک حضرت انس ابن مالک اور دوسرے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہٗ نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا اور اُنھوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا، فرمایا: جو شخص اللہ کی ملاقات کا شوقین ہے اور اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے، اللہ بھی اُس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا، اللہ بھی اُس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ یا امہات المؤمنین میں سے کسی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا اس سے مراد موت ہے، کیونکہ موت ایک ایسی چیز ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا، یہ ہماری فطرت ہے، اگر یہ مراد ہے تو پھر تو ہم سب ہی اس میں شامل ہیں، فرمایا: اس کا مطلب موت نہیں ہے۔ فرمایا: جس وقت مومن کی موت کا وقت آتا ہے، اُس کو اللہ کی طرف سے رضا کی بشارتیں دی جاتی ہیں، تو جس وقت تو پھر اُس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سوائے موت کے اُسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی کہ وہ فوراً اس موت کے پُل کو پار کر کے اپنے محبوب سے جا کر واصل ہو جائے۔ اہل عرفان کہتے ہیں: "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" موت اُس

پُل کا نام ہے جس کو پار کر کے محب اپنے محبوب سے جا ملتا ہے۔اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

الموت تحفة المؤمن [1]

ترجمہ: مومن کے لیے تو موت انعام ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جب وصال کا وقت آیا تو اُن کی اہلیہ بیٹھ کر رونے لگی اور آہیں بھرنے لگی **وا حسرتا**، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: **واطربا**، فرمایا یہ حسرت کا مقام نہیں، یہ تو خوشی کا مقام ہے، یہ تو راحت اور بشارت کا لمحہ ہے کہ غلام جا کر اپنے مالک سے ملے گا، یہ موت تو حضوری کا پیغام ہے۔ یہ بشارتیں جب اُس کو ملتی ہیں تو وہ اللہ کی محبت کا اور اللہ سے ملاقات کا اور زیادہ مشتاق ہو جاتا ہے۔ اُس کا تجسس اور شدت طلب اور بڑھ جاتی ہے اور پھر اللہ بھی اپنے اُس پیارے بندے سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔اسی طرح فرمایا کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اُسے اللہ کے عذاب اور سزا کی خبریں دی جاتی ہیں اور اُس شخص کے لیے موت سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ چیز کوئی نہیں ہوتی، وہ کافر اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا اور مرنا نہیں چاہتا اور اللہ بھی اُس کافر اور نافرمان سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔

یہ خالق کائنات کی طرف سے محبوبیت کی علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر ہی بندوں کے لیے واضح فرما دیں۔ یہ کیفیات روزمرہ کی زندگی میں بھی ہمارے مشاہدہ میں بھی آتی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حج کا موقع تھا، حج کا موقع ایسا ہوتا ہے جب ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے، منیٰ میں اور مزدلفہ میں اُس موسم میں آپ گزر رہے تھے اور جس جس کی نظر اُن پر پڑتی وہ اُن کی زیارت کے لیے اور اُن کی

1۔ الترغیب والترہیب 239/4 رقم:5123

دست بوسی کے لیے اُن کے گرد جمع ہو رہے تھے، وہاں کچھ تابعین بزرگ بیٹھے تھے، اُنھوں نے جب یہ منظر دیکھا تو یہ حدیث جو ہمارا آج کا موضوع ہے، اس کو بیان کیا۔ فرمایا دیکھو، یہ عمر بن عبد العزیز ہیں وہ بولے ہاں یہ عمر بن عبد العزیز ہیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا دوست بنایا تو اپنے بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دی، لوگوں میں اُن کے لیے اتنی کشش پیدا کر دی کہ حج کے موقع پر بھی جب لوگ احرام میں ہوتے اور ارکان حج کی ادائیگی کی فکر میں ہوتے ہیں ''اللھم لبیک، اللھم لبیک'' کی کیفیت میں ہوتے ہیں لیکن اللہ کے دوست میں اتنی کشش ہے کہ اُن کی طرف کھنچتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اسی طرح کی ایک کیفیت حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں بیان کی ہے:

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا حجر اسود کو بوسہ دینا

حرم شریف میں لوگ حجر اسود کو بوسے دے رہے ہیں اور خلیفۂ وقت (ہشام بن عبد الملک) بڑی شان و شوکت اور کر و فر سے اپنے درباری، وزراء اور مشیروں کے ساتھ حرم میں موجود تھا اور انتظار کر رہے ہیں کہ لوگوں کا ہجوم جگہ دے اور ہم بھی حجر اسود کو بوسہ دیں۔ اتنے میں ایک نوجوان، نورانی پیکر حرم میں داخل ہوئے تو جتنے لوگ حجر اسود پر بوسہ لینے کے لیے ٹوٹے جا رہے تھے وہ سب حجر اسود کو چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہو گئے، کوئی جا کر اُن کے ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی اُن کے کندھوں پر بوسہ دے رہا ہے اور اُن کے گرد ایک ہجوم بن گیا، وہ اُن لوگوں میں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے، لوگوں نے اُن کو راستہ دیا اور اُنھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ تو لوگوں نے ہشام بن عبد الملک سے کہا کہ آپ خلیفۂ وقت ہیں لیکن کسی نے آپ کو راستہ نہیں دیا، کوئی آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا، یہ شخص پتہ نہیں کون ہے کہ تمام لوگ اس سادہ

سے آدمی کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں تو ہشام بن مالک باوجود جاننے کے، اپنے درباریوں کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لیے جان بوجھ کر انجان بن گیا، وہاں ہشام کا درباری شاعر فرزدق کھڑا تھا، وہ خلیفہ کے قصیدے پڑھنے والا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار کے ساتھ اُسے قلبی عقیدت وارادت تھی، اُس نے کہا خلیفہ میں بتاؤں یہ کون ہے، اُس نے اشعار میں حضرت امام زین العابدین کی شان میں ایک پورا قصیدہ بیان کیا اور بتایا کہ ساری دنیا حرم کی حرمت کی پاسداری کرتی ہے لیکن حرم اس شخص کی حرمت کی پاسداری کرتا ہے اور بطحا کی وادی میں اس سے زیادہ محترم اور معزز شخص کوئی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا نانا امام الانبیاء ہیں اور اس کا باپ شیر خدا ہے اور اس کی دادی جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ اس کا نام علی بن حسین بن علی ہے جسے لوگ عابدوں کی زینت کہتے ہیں۔ اپنی عقیدت و جذبات کا اظہار کیا اور بتایا کہ اللہ نے یہ عزت اور مقبولیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار کو عطا فرمائی ہے۔

امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فضیل ابن عیاض علیہ الرحمہ کی عیادت کو اولیائے کرام گئے، اُن کو حبس بول کی شکایت ہوگئی، پیشاب بند ہوگیا، اولیائے کرام اُن کی عیادت کے لیے گئے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے اولیاء کے امام تھے، آپ کہتے ہیں کہ ہم ابھی خبر گیری کر کے اُٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت فضیل ابن عیاض علیہ الرحمہ نے دعا کی۔ اے اللہ! تجھے اُس محبت کی قسم جو مجھے تجھ سے ہے، میری اس تکلیف کو دور کر دے۔ اولیائے کرام کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فوراً اُن کی تکلیف کو رفع فرما دیا، اولیائے کرام کو اپنی محبت اور اللہ سے تعلق پر اتنا اعتماد تھا کہ ایسے موقع پر وہ اپنے اُس اعتماد کو اپنے رب کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے۔ یہ رسوخ اُسی شخص کو عطا ہوسکتا ہے، جسے پتہ ہو کہ میں نے اپنے تعلق

میں کبھی خیانت نہیں کی۔

آخری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے اس کو روایت کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کلام کیا کرتے تھے، دوران کلام عرض کرتے ہیں: کہ اے اللہ! تیرے سب بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بندے کون سے ہیں، فرمایا، کثرت سے میرا ذکر کرنے والے، وہ میرے محبوب ہیں۔ فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ (البقرہ:152) جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ کیفیت جنھیں نصیب ہے۔ جو میرے بندوں میں زیادہ میرا ذکر کرتے ہیں وہ میرے زیادہ پیارے ہیں، فرمایا: اے اللہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ غنی لوگ کون ہیں فرمایا: جو میرے عطا کیے ہوئے پر راضی رہتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ اے اللہ! تیرہ بندوں میں سب سے زیادہ دانشمند لوگ کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو اپنی ذات پر بھی وہی حکم لگاتے ہیں جو لوگوں پر لگاتے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو اُن تقاضوں سے مستثنا نہیں رکھتے۔ اللہ کی بندوں سے محبت اور بندوں کی اللہ سے محبت، یہ اصل میں سارے ایمان کا لب لباب ہے جتنی بھی ہم عبادات اور نیک اعمال کرتے ہیں، اُن کا مقصد یہ ہے کہ بندے کا رب سے ایک تعلق قائم ہو جائے اور وہ تعلق محبت کا ہو۔ مولانا رومی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت

ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑک اُٹھتا ہے تو سوائے محبوب کہ ہر چیز کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ اُس کے بعد پھر کسی چیز کا حقیقی وجود باقی نہیں رہتا اور اس وجود کو برقرار رکھنے کا مقام قلب ہے۔ ''لا الہ الا اللہ'' اس کا انتہائی جامع خلاصہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَٰلِ

وَالۡاِکۡرَامِ ﴿۲۷﴾ (الرحمٰن:27,26)

ترجمہ: جتنے زمین پر ہیں سب کو فنا ہے اور باقی تمہارے رب کی ذات عظمت و بزرگی والی ذات ہے۔

ابدی، دائمی اور سرمدی صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ ذات باری تعالیٰ سے تعلق بھی لافانی ہے۔ یہ تعلق جب قائم ہوتا ہے اور بندہ اس کو حقیقی معنوں میں چکھ لیتا ہے، پھر اُس کی زندگی کے معاملات بھی بدل جاتے ہیں، اُس کی عبادات کی کیفیات میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اُس کے اندر سے سرد ہو جاتی ہے اور پھر آخری مرتبہ یہ کہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اس نے اُس شخص کو اندر باہر سے جکڑا ہوا ہے، خواہشات نفسانی، مادیّت سب ختم ہو جاتی ہے۔

اسی لیے صوفیہ کرام یہ بات بیان کرتے ہیں کہ یہ جسم چونکہ مادی ہے، اسی لیے اس کا وطن (یعنی دنیا) بھی مادی ہے، انسان کی روح کا وطن یہ دنیا نہیں ہے، کیونکہ روح عالم ارواح سے تعلق رکھتی ہے، اس کا وطن اصلی وہ ہے، اسی لیے جب کسی شخص کو موت آتی ہے تو اُس کا جسم زمین میں دفن ہوتا ہے لیکن روح اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اسی لیے پڑھتے ہیں:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ (البقرہ:156)

ترجمہ: بے شک اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تعلق باللہ کا جو ذریعہ ہے وہ بھی روح ہے۔ قلب، روح اور نفس، جو اپنے رب سے تعلق جوڑتے ہیں اور اللہ کی طرف سے جو کچھ آتا ہے وہ انھوں نے ہی وصول کرنا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کے اندر حیات ہو، ان کے حواس کام کر رہے ہوں، تب یہ جا کر اُن انوار اور تجلیات کو جو اللہ کی طرف سے مومن کے لیے اترتے

ہیں، وصول کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ ورنہ وہ پیدا بھی ہو جائیں تو یہ اُن سے محروم ہے اگر ان میں حیات نہیں ہے۔ تو عبادات کے ثمرات سے یہ عملاً محروم رہتا ہے، ثواب تو ہر حال میں درج ہو جائے گا، لیکن جو اُس کے فوری ثمرات تھے۔ یہ اُن سے محروم رہ جاتا ہے۔ باوجود طالب ہونے کے، چہ جائیکہ وہ شخص جسے اس تعلق کی خبر ہی نہ ہو تو وہ بڑا بدنصیب ہے۔

جیسے یرقان کا مریض ہے وہ پراٹھا نہیں کھا سکتا، کھا بھی لے تو اُس کا جسم اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، اسی طرح یہ بھی ایک باطنی بیماری ہے۔

ایک رسمی محبت ہوتی ہے، یا محبت کا دعویٰ۔ وہ بھی بطور مسلمان مطلوب ہے۔ لیکن محبت کی جو حقیقت ہے۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمہ کا فرمان

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمہ کے حوالے سے میں اکثر یہ مثال دیا کرتا ہوں۔

کسی شخص نے اُن سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے کہا، تو آپ نے فرمایا: ''اپنے رب نوں اپنے توں بہتر سمجھیا کر''۔ وہ بڑا حیران ہوا اور دست بستہ عرض کیا: حضور رب تو رب ہے، وہ تو بلاشبہ ہم سے بہتر ہے، ہم رب جیسے کس طرح ہو سکتے ہیں یا سوچ سکتے ہیں، فرمایا: بس یہی میری نصیحت ہے۔ جب وہ شخص سفر میں گیا، راستے میں سفر کے لیے کھانا باندھ لیا، نیچے خشک روٹی اور اوپر گھی رکھ دیا، دیہات میں جس طرح سے رواج ہوتا ہے۔ جس وقت راستہ میں اُنھوں نے وہ کھانا کھولا، تو ایک مسافر راہگیر وہاں سے گزرا اور کہا کہ جی میں بھی مسافر ہوں، اُس شخص نے اُنھیں بھی شامل کر لیا، جو خشک روٹی تھی وہ اُس مسافر کو دے دی اور گھی والا پراٹھا خود کھا لیا،

آنکھ لگی، سوئے تو میاں شیر محمد شرقپوری خواب میں آئے، غصے کی حالت میں، ایک تھپڑ اُن کے مُنہ پر مارا اور فرمایا: جھوٹیا! توں تے کہند اساں کہ میں رب نوں اپنے توں بہتر سمجھدا واں۔ رب نوں سُکی روٹی تے آپ پراٹھا؟

رب کو اپنے بندے سے کوئی چیز نہیں چاہیے۔ رب کی تعریف تو یہ ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴿۹۷﴾ (آل عمران:97)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔

نہ کسی بندے کی نیکی، زہد، اور تقویٰ اُس پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی بندے کی نافرمانی، بدکاری اور گناہ اُس پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ یہ سب چیزیں ہمارے ادراک اور فہم کے لیے ہیں تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ اچھا کیا ہے، اور برا کیا ہے۔ ہم اپنے تعلق کو بہتر کرسکیں۔

اصل معاملہ یہ ہے جو ایک صوفی اور درویش نے سمجھایا کہ جو چیز اللہ کے لیے ہے اُس کا تمہیں شعور ہو، اللہ کے لیے جو کرو گے، اللہ کی راہ میں جو خرچ کرو گے، اُسے اللہ سمجھے گا کہ تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے جیسے احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ بندوں سے یہ فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا تو تو میری عیادت کے لیے نہیں آیا؟ وہ کہے گا: اے اللہ! تو تو بیمار نہیں ہوسکتا تو اس سے پاک ہے، اللہ فرمائیں گے: فلاں شخص جو بیمار ہوا تھا، وہ میں ہی تھا، اگر تم آجاتے تو مجھے اُس کے پاس پاتے، اصل میں یہ آزمائش گاہ ہے۔

دعوت فکر

امام قشیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: کہ جب قیامت کے دن اس کی محبت کے دعویدار آئیں گے تو اللہ اُن سب کو جمع کر کے کہے گا: قیس عامری کو لاؤ، جسے ہم لوگ

مجنوں کہتے ہیں، اسے بطور حجت لایا جائے گا، اے خالق کائنات، اور احکم الحاکمین کی محبت کے دعویدارو، ذرا اپنی محبت کو میرے اس بندے کی محبت کے ساتھ پرکھ کر دیکھو، اس کی محبت کے معیار اور کسوٹی پر تو پیش کرو، کیا تم اس معیار پر بھی پورے اترتے ہو یا نہیں؟

یہ بزرگان دین اور اولیائے کرام جنھیں اللہ نے یہ اعزاز بخشا اور اپنی محبت کے حقائق عطا فرمائے، ان کی اولاد میں بھی یہ رچی ہوئی تھی۔ حضرت فضیل ابن عیاض علیہ الرحمہ اپنے بچے کو اُٹھا کر پیار کر رہے تھے، تربیت ایسی کی ہوئی تھی، اور تربیت کے اثرات ایسے تھے، بچے نے کہا: ابا جان! آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ تو کہا کرتے تھے، کہ میں صرف اللہ سے محبت کرتا ہوں، آپ کی محبت میں کوئی فرق آ گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال:28)

ترجمہ: مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔

یعنی مال اولاد اور دنیا، اُس حقیقی محبت کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ جو بندے کو اپنے رب کے ساتھ ہونی چاہیے، یہ سب دنیا میں وقتی ذرائع ہیں۔ یہ آزمائشیں اور امتحان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اُسوۂ حسنہ سے یہ ساری آزمائشیں ہمیں طے کر کے دکھا دیں ہیں، کہ کس سے کیا تعلق کس حد تک رکھنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس دنیا میں رہ کر تمام معمولات کو بجا لا کر پھر اپنے رب سے تعلق قائم کر کے دکھایا اور اسے اپنی سُنت بنایا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (المزمل:8)

ترجمہ: اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اس کے ہو رہو۔

جسے ہماری زبان میں کہتے ہیں:

ہتھ کار و لے، دل یار و لے (دست بہ کار دل بہ یار)

یعنی باطنی طور پر اپنے رب سے تعلق قائم ہو اور اُس میں کوئی انقطاع اور خلل نہ ہو۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (النور:37)

ترجمہ: اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو تجارت، خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اللہ کی یاد میں ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ دوسرے دنیاوی امور بھی سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ کے ساتھ تعلق کے معاملے میں وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے۔ یہ آخری بات ہے جو میں بیان کر دوں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

حدیث میں ہے

تین آدمی قابل رحم ہیں: عزت دار جب خوار ہو جائے، امیر جب غریب ہو جائے اور عالم جب جاہلوں میں پھنس جائے۔

مشہور مقولہ ہے

"عالم بننا ہے تو ایک فن منتخب کرلو۔
ادیب بننا ہے تو ہر فن میں سے موتی چنو۔

قدیم مقولہ ہے

عالم وہی ہے جس میں تین باتیں ہوں: اپنے سے کم علم کی تحقیر نہ کرے، اپنے سے بڑے عالم پر حسد نہ کرے، اپنے علم پر اجرت وصول نہ کرے۔

درس حدیث نمبر:6

”لا تغضب“

غصہ مت کرو

غصہ مت کرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

قَالَ اللّٰہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ کَلَامِهِ الْمَجِیْد

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۱۳۴﴾

(آل عمران:134)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اَنَّ رجُلاً قَال لِلنَّبِیِّ ﷺ اَوْصِنِی: قَالَ لَا تَغْضَبْ، مَرَدَّدَا مِرَاراً، قَالَ لا تَغْضَبْ[1]

ترجمہ: ایک شخص آیا اور اس نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی، مجھے کوئی نصیحت فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر کہا حضور مجھے کوئی نصیحت کریں

1۔ الترغیب والترہیب:439/3: بخاری: کتاب الادب، باب الحذر من الغضب:903/2

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کر۔

آج کے درسِ حدیث کا موضوع ہر انسان کی طبیعت اور فطری مزاج سے متعلق ہے، جو ایک ایسی صفت ہے جو بعض صورتوں میں مدح اور بعض صورتوں میں ذم ہے، بعض شکلوں میں یہ پسندیدہ ہے اور بہت ساری صورتوں میں یہی ایک خصلت نا پسندیدہ ہے۔ اور اس حدیث پاک کا جو متن میں نے پڑھا ہے یہ متن معجز نما ہے، اور اپنی عبارت کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ کلام سوائے نبی کے کوئی کر نہیں سکتا، اور یہ حسنِ اعجاز اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں صرف ایک ہی ہستی کو بخشا ہے، جن کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے، کہ آپ سے کوئی سوال پوچھا جائے، تو آپ سائل کی ساری ضرورتوں کو صرف ایک لفظ میں پورا فرما دیں، اس کی کوئی مثال نہ کسی نبی کے ہاں ملتی ہے اور نہ کسی غیر نبی کے ہاں ملتی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث مبارکہ کو اپنی صحیح میں، امام ترمذی نے اپنی سنن میں، امام احمد نے اپنی مسند میں، امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں، امام حاکم نے مستدرک میں، امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں امام ابن عبد البر نے اپنی تمہید میں، امام عبدالروف المنذری نے الترغیب والترہیب میں روایت اور نقل کیا ہے۔

تین بار تکرار سنت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

ایک شخص آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی اَوْصِنِی یَا رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرما دیں۔ "قَالَ لَا تَغْضَبْ" فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر کہا: اوصنی یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضور مجھے کوئی نصیحت فرما دیں "مَرَدَّدَا مِرَارًا، قَالَ لَا تَغْضَبْ" فرمایا غصہ نہ کر۔

اب یہ جو فہم کا تفاوت ہے، یہ ہر سائل کا ایک جیسا نہیں ہوتا، وہ اندازہ نہ کرسکا کہ اتنے اختصار کے ساتھ بھی جواب دیا جاسکتا ہے اور وہ بھی مکمل جواب، اسے تسلی نہ ہوئی، اس نے پھر دوہرایا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ اس نے جتنی بار تکرار کی کہ "اوصنی یارسول اللہ" آپ نے اتنی بار فرمایا، "لا تَغْضَبْ" غصہ نہ کر۔ صحابہ کرام یہ سن رہے تھے، اور دیکھ بھی رہے تھے کہ اس شخص کو مکمل جواب دیا جاچکا ہے مگر اس تکرار نے اس میں اور تاکید پیدا کردی کہ اگر ایک ہی جملے میں کوئی شخص اپنے سارے مسائل کا حل چاہتا ہو تو وہ یہ ہے کہ، وہ غصہ نہ کرے۔ یہ تمام مسائل کا حل بلکہ تمام مسائل انسانی کا حل ہے۔ **پھر فصاحت کلام نبوی:** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے کہ: ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

یا رسولَ اللہ ﷺ عَلِّمْنِی شَیْأً وَلَا تُکْثِرْ عَلَیَّ لَعَلِّی أَعِیهِ قَالَ لَا تَغْضَبْ [1]

ترجمہ: ایک بدو آیا اس نے عرض کیا: یارسول اللہ علیک وسلم مجھے کوئی ایسی چیز سکھادو، کسی ایسے عمل کی تعلیم دو، جو بہت لمبا چوڑا نہ ہو، آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔

یعنی کہ بیان میں اتنا طویل نہ ہو کہ میں بھول ہی جاؤں، اب یہ سائلین کا ذوق دیکھئے کہ اس بارگاہ میں آنے والے سائل کیسے آتے تھے کیسے ذوق شوق سے، کیا سوچ اور کیا طلب لے کے آتے تھے اور کیسے ان کی طلب حسب طلب پوری ہوتی تھی۔ شرائط کے ساتھ سوال کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو، ایسا نہ ہو، لمبا چوڑا نہ ہو، یعنی انہیں پتہ تھا کہ یہ جو رسول ہے رسولِ یُسر، ہے اور اس کا دین، دین یسر ہے، یہ ہر حال میں ہمیں سہولت دے گا، ہمیں آسانی دے گا، لہٰذا اسی طرح طلب کرتے تھے کہ کوئی

1۔ ترمذی: ابواب البر والصلة، باب فی کثرۃ الغضب: 22/2

لمبا چوڑا متن نہ ہو اور کوئی لمبا چوڑا پروگرام بھی نہ ہو، اتنا بھی نہ ہو کہ میں سنتے سنتے پورا یاد نہ رکھ سکوں تو فرمایا ''لا تغضب'' اے سائل غصہ نہ کیا کر۔

مَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا تَغْضَبْ

ترجمہ: وہ دہراتا رہا اور آپ فرماتے رہے کہ غصہ نہ کر۔

لاتغضب جوامع الکلم میں سے ہے

امام ترمذی کے علاوہ دوسرے ائمہ لکھتے ہیں: کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا۔ خود راوی کہتے ہیں: "قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ دُلَّنِي عَلَىٰ عَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ قَالَ لَا تَغْضَبْ" بعض محدثین کے نزدیک یہ ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں کہتے ہیں: میں نے عرض کی کہ آقا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور کوئی لمبا چوڑا پروگرام بھی نہ ہو، فرمایا غصہ نہ کیا کر۔

ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختصراً مگر جامع نصیحت طلب کی۔ ایسی نصیحت جو تمام بھلائیوں کی جامع ہوتا کہ بندہ یاد بھی رکھ سکے اور اس پہ عمل بھی کر سکے اور صحابہ کرام کو یہ خدشہ بھی رہتا تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کوئی چیز براہ راست پوچھ کر طلب کی جائے اور آپ اس کے جواب میں کچھ فرمائیں، تو پھر اس میں سے کسی چیز کا بھول جانا وہ بھی بے ادبی ہے، وہ اس سے بھی ڈرتے تھے۔ ایک ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا از خود کچھ فرما دینا کہ حاضرین و سامعین بیٹھ کر سن رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ فرما رہے ہیں، اگر سامعین میں سے کوئی اس میں کچھ بھول گیا تو وہاں تو عذر ہے، لیکن اگر کوئی مشخص آدمی جب خود سوال کرتا ہے، اپنے لئے ذاتی طور پہ پوچھتا ہے تو اس وقت اس کے پاس جواز نہیں رہتا کہ وہ سن کر بھول جائے۔ یہ وہ خدشہ تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان ہمیشہ کوشش کرتے تھے، کہ جتنی مختصر بات ہو اچھا ہے، تاکہ

اس میں سے ہم کوئی زیر، زبر کی کوتاہی بھی نہ کر بیٹھیں، یہ خوف رہتا تھا کہ لمبی بات کے دوران کہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ یہاں ایک چیز ذہن میں آ رہی ہے، کہ یہ وہ قوم تھی کہ فطری طور پر ان کی قوت حفظ کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنے سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک شجرہ یاد ہوتا تھا، اور ان کے بچے بچے کو بھی اور ان جیسا حافظہ، نہ ان سے پہلے کبھی انسانوں میں سے کسی کو ملا ہے، اور نہ ان کے بعد قیامت تک کسی کو ملنے کا امکان ہے۔ اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوق سمجھیے کہ جب بھی حدیث روایت کرتے تو پڑھتے تھے "اَوْ کَمَا قَالَ صَلَی اللہ عَلَیہ وسلم" یہ جملہ محدثین کرام نے اسی بارگاہ سے سیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کبھی کہتے ہی نہیں تھے کہ "قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے تھے "سَمِعْتُ رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں نے رسول ﷺ سے سنا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، یا مجھ تک پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، حالانکہ براہ راست سنا ہوتا تھا۔ کسی نے پوچھا: تو فرمایا کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہو، الفاظ میں اور ہو میں بیان کرنے میں اس کی جگہ کوئی اور لفظ استعمال کر لوں، تو پھر وہ " قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " تو نہ ہوا۔ یہ اس درجے کی احتیاط تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث ایسی بھی ہے، کہ جس صحابی نے کوئی حدیث روایت نہیں کی اس نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، یعنی اگر یہ سمجھیں کہ کسی صحابی نے ایک ہی حدیث مروی ہے تو وہ حدیث مبارکہ یہ ہوگی۔

قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ [1]

---

[1] بخاری: کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ: 21/1

ترجمہ: جس شخص نے میری طرف سے قصداً کوئی ایسی جھوٹی بات بیان کی جو میں نے نہیں کہی تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔

آپ میں سے کئی حضرات ایسے ہوں گے کہ جن کے موبائلوں پہ ایسے ایس۔ ایم۔ ایس۔ آتے ہوں گے کہ، جو مجھے اس مہینے کی خوشخبری سنائے گا میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔'' اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے، اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

یہ حدیث مبارکہ جو میں نے آپ کو سنائی ہے یہ ''حدیث متواترات'' میں سے ہے، جس کا درجہ فنی اعتبار سے قرآن کے برابر ہے۔ حدیث کی اقسام میں جو سب سے اعلیٰ قسم ہے اس کو ''حدیث متواتر'' کہتے ہیں اور اس کو سو سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ حدیث کی کوئی بڑی کتاب نہیں جس میں یہ حدیث مبارکہ نہ ہو۔ بلکہ بعض محدثین تو کتاب شروع ہی اس حدیث سے کرتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے، کہ کسی حدیث کو بیان کرنے کا معیار اور سٹینڈرڈ کیا ہے، اور محدثین کے نزدیک حرام ہے کہ کوئی شخص یہ کہے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اس وقت تک کہ اسے وہ حدیث اپنی سند سے نہ پہنچی ہو۔ حدیث بیان کرنے کے کچھ آداب ہیں، کچھ قاعدے ہیں، کچھ ضابطے ہیں۔ اس سلسلے میں امام مالک رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ مسجد نبوی شریف میں درس حدیث دیا کرتے تھے، آپ کے حلقہ ءدرس میں جم غفیر ہوتا تھا، جس میں محدثین کرام، علماء عظام اور طلباء کی ایک کثیر تعداد ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کسی نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ آپ کوئی مستملی کھڑا کر لیجیے، کوئی سیکنڈ پر کھڑا کر لیجیے جیسے نماز میں سپیکر نہ ہونے کی صورت میں مکبّر کھڑا کرتے ہیں، تو امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہ مسجد نبوی ہے، یہاں وہی ادب لازم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں لازم تھا، اس لیے کوئی اور جگہ ہو تو مستملی کھڑا کیا جا سکتا ہے، لیکن یہاں نہیں، یہاں اونچی آواز

کرنے کا وہی نقصان آج بھی ہے، جو اس وقت صحابہ کرام علیہم الرضوان میں تھا۔ اسی انداز سے جب حلقہء حدیث ہو، تو وہاں پر مجلس نبوی کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ میں (مؤلف) حدیث کا طالب علم ہوں اور موضوعات فی الحدیث میرا خاص ذوق ہے، میں بڑا عرصہ یہ سمجھتا رہا کہ "**فتنہ وضع حدیث**" دوسری صدی ہجری میں ختم ہو گیا تھا۔ لیکن جب پچھلے دو سال میں مجھے ایسی روایتیں موبائلوں کے ایس۔ ایم۔ ایس کے ذریعے لوگوں سے پوچھیں، تو میں سمجھا کہ فتنہء وضع حدیث تو آج بھی جاری ہے، آج بھی لوگ حدیث گھڑ لیتے ہیں، جیسے ربیع الاول شروع ہوا، تو ایس۔ ایم۔ ایس شروع ہو گئے کہ "جس نے مجھے ربیع الاول کے چاند کی خوشخبری سنائی" وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتوں کے مضر اثرات سے آپ خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، جس قوم میں یہ فتنہ پھیل رہا ہو اور کوئی بندہ ٹس سے مس نہ ہو، تو پھر انہیں قوموں پر عذاب آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی قوم نئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالی بطور سزا ان میں سے ایک سنت اٹھا لیتا ہے۔

یعنی ان کو سنت کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ بھی عذاب کی صورتیں ہوتیں ہیں کہ لوگ غیر دین کو دین سمجھ کر کر رہے ہوں، ان کے اندر غیر دین کو دین سمجھ کر اپنا لیا جائے اور اسے ثواب سمجھ کر کیا جائے۔

علم حدیث اور اصول حدیث سے متعلق کچھ قواعد اور کچھ چیزیں تھیں جو میں عرض کی ہیں۔

ہم بات کر رہے تھے غصے کی، غصہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، یہ انسانی مزاج میں ڈالا گیا ہے۔ انسان کا خمیر چار بنیادی عناصر سے اٹھایا گیا ہے، وہ عناصر اربعہ آگ، ہوا، مٹی اور پانی ہیں۔ غصے کا تعلق آگ سے ہے، چونکہ یہ انسان کے خمیر میں شامل ہے اس لیے اسے غصہ آتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کو چینلج (Chanalize)

کیا گیا ہے، اس کو ''تہذیب نفس'' کہتے ہیں۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ
(ال عمران:134)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں وہ غصے کو پیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بزرگ تابعی تھے، وہ بیٹھے تھے، ان کی ایک خادمہ نے ایک بھنہ ہوا بڑا سا گوشت کا ٹکڑا سیخ پر لگا ہوا، گرم گرم آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہا، پاس ہی بچہ بیٹھا ہوا تھا، وہ گوشت اور وہ دہکتی ہوئی سلاخ اس بچے پر گر پڑی، وہ بچہ زخمی ہوا اور اس کے بعد مر گیا۔اب فطری تقاضا تھا، حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا، تو غصے اور جلال سے اپنی لونڈی کی طرف نظر اٹھائی، تو اس کنیز نے پڑھا ''وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' ترجمہ: اور غصے کو پی جانے والے۔جب اس کنیز نے آگے سے یہ آیت کریمہ پڑھی تو آپ نے نظریں جھکا لیں، پھر اس نے پڑھا ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' فرمایا میں نے تجھے معاف کیا پھر اس نے کہا ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔پھر اس نے کہا: ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ ''وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' سر جھکا لیا ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' اسے معاف کر دیا۔ ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' اسے آزاد کر دیا۔یعنی غلطی پر انعام، یہ وہ لوگ تھے جو محسنین تھے۔یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا قرآن جو کہہ رہا ہے، الحمدللہ وہ کرنے والے اس امت میں موجود ہیں جنھوں نے اس کو عملی شکل دی

کہ یہ ساری صورتیں قابل عمل ہیں اور انسان ان پر عمل کر سکتا ہے اور بڑے لوگوں نے کر کے دکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: "وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ" (الشوریٰ:37)

ترجمہ: جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال تو مشہور ہے، انہوں نے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مار دیا تھا۔ سارے پیغمبروں میں سب سے جلالی ہیں، اس لئے ان کے غصے کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ اعراف میں ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ (الاعراف:154)

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا۔

یہاں لفظ "سَكَتَ" آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ خاموش ہو گیا یعنی انہیں غصہ تو شدید آیا تھا لیکن وہ خود خاموش ہو گئے۔ غصہ کنٹرول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زبان چپ ہو اس کے بعد پھر ہاتھ کی نوبت نہیں آئے گی، یعنی غصے کا جو پہلا اظہار ہوتا ہے وہ چہرے کا تاثر ہے، اس کے بعد زبان اور پھر ہاتھ ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے اور قرائن بتاتے ہیں کہ یہ پوچھنے والے ابو درداء رضی اللہ عنہ ہی تھے، انہوں نے بھی یہی سوال پوچھا کہ مجھے وہ عمل بتا دیجیے جو مجھے جنت میں لے جائے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: لَا تَغْضَبْ وَلَكَ الْجَنَّةُ

ترجمہ: غصہ نہ کر جنت تیری ہے۔

احنف ابن قیس رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں:

(حارثہ ابن قدامہ رضی اللہ عنہ)

"اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قُلْ لِيْ قَوْلاً

وَاَقْلِلْ عَلَیَّ لَعَلِّی أَعْقِلُہ"

ترجمہ: حضور مجھے کوئی بات فرمادیں، کہ مجھے یاد رہے، اسے یاد رکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے تو فرمایا غصہ نہ کر۔

وہ بار بار پوچھتے رہے اور آپ یہ دہراتے رہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ وہ صاحب جو پوچھنے آئے تھے وہ اس مرض کا شدید شکار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ذاتی مرض تشخیص فرمائی اور ساتھ ہی اس کا علاج تجویز فرما دیا۔ صحابہ کرام کہتے ہیں: جب یہ مکالمہ ہوگیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ جو شخص غصے کو کنٹرول کرلے تو گویا کہ اس نے ساری خیر کو حاصل کرلیا، کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے جو ساری خرابیوں کو اپنے اندر جمع کرلیتا ہے اور ہر قسم کی خرابی کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے جو غصے کی زد میں آیا وہ ہر شر کی زد میں آیا اور جو غصے سے بچ گیا اس نے ہر بھلائی کو حاصل کرلیا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ ایک صحابی آئے اور انہوں نے پوچھا:

مَا ذَا یُبَاعِدُنِی مِنْ غَضَبِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ [1]

ترجمہ: میں اللہ کے غضبِ جلال سے کیسے بچ سکتا ہوں؟۔

"قَالَ لَا تَغْضَبْ" فرمایا: غصہ نہ کر۔ یعنی تو اللہ کے کسی بندے پر غصہ نہ کر اللہ تجھ پر غصہ نہ کرے گا۔

حضرت امام جعفرِ صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اَلْغَضَبُ مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ ترجمہ: غصہ ہر شر کی چابی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سارا حسن اخلاق ایک جملے میں بیان فرمادیں، تو آپ نے فرمایا:

1۔ جامع العلوم والحکم۔ ص ۱۵۳

حُسْنُ الْخُلُقِ بِتَرْكِ الْغَضَبْ ترجمہ: کل حسن خلق غصے کا ترک ہے۔

پھر اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مرفوعاً روایت کیا گیا کہ: ایک صاحب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے کی طرف سے آئے اور عرض کی:

يَارَسُولَ اللهِ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ ترجمہ: حضور سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ "فَقَالَ حُسْنُ الْخُلُقِ"

فرمایا حسنِ اخلاق: "ثُمَّ اَتَاهُ عَنْ يَمِيْنِهِ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ"

ترجمہ: پھر وہ دائیں طرف سے آئے اور یہی سوال پوچھا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اخلاق۔

"ثُمَّ أَتَاهُ عَنْ شِمَالِهِ فَقَالَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ" ترجمہ: پھر وہ صاحب بائیں طرف سے آئے اور عرض کی حضور بہترین عمل کون سا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائیں طرف سے انہیں جواب دیا حسن اخلاق۔

ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ بَعْدِهِ يَعْنِي مِنْ خَلْفِهِ فَقَالَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟

ترجمہ: پھر وہ صاحب پیچھے کی طرف سے آئے اور عرض کی حضور افضل عمل کون سا ہے؟

"فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و سلم فَقَالَ مَا لَكَ لَا تَفْقَهُ حُسْنَ الْخُلُقِ هُوَ أَنْ لَا تَغْتَبْ إِنِ اسْتَطَعْتَ"

ترجمہ: فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے، تجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ حسن خلق کیا ہوتا ہے؟

اب طلب دیکھیے، اس صاحب کا چار بار پوچھنا کیا تھا کہ آقا حسن خلق تو بڑا جامع لفظ ہے لیکن حسن خلق ہوتا کیا ہے؟ میری طلب یہ چاہ رہی ہے کہ حسن خلق کی تفسیر بھی آپ خود فرما دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن خلق اس کو کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو

سکے غصہ نہ کیا کر۔ یہ فطری چیز ہے اس لیے استطاعت کو ساتھ شامل فرمالیا کہ اپنے آپ کو کنٹرول کرلیا کرو۔

امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نصیحت "لا تغضب" میں دو قسم کے امکان ہیں پہلا یہ کہ:

یَحْتَمِلُ أمْرَیْنِ : اَحَدُ ھُمَا اَنْ یَکُوْنَ مُرَ ادُہ الأمرَ بِالأ سْبَابِ الّتِیِ تو جِبُ حسن الخلق مِنَ الْکَرَمِ وَالسَّخَاء وَالْحِلْم وَالْحَیَاء والتو اضع، والاحتمال وَ کَذَا الاذٰی والصفح والعفوِ وَ کَظم الغیظِ وَالطلاقۃِ وَالبشرِ وَ نحو ذٰلِكَ مِنَ الأخلاقِ الْجَمِیلَۃ

اس کو سیکھنے کا پہلا طریقہ کیا ہے، کہ ان اسباب کو اختیار کیا جائے جو غصے پر کنٹرول کرنے کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں کیا کرم، مہربانی، شفقت، برداشت، حیاء، عاجزی، انکساری، غصے کو پینا، خندہ پیشانی، اس قسم کے جو اخلاق جمیلہ ہیں ان کو حاصل کیا جائے کیونکہ نفس کی یہ خاصیت ہے، کہ کہ جب وہ ان اخلاق سے متخلّف ہوتا ہے، ان صفات سے متصفّ ہوتا ہے، تو پھر یہ اس کی طبیعت بن جاتی ہے، پھر اسے یہ عادات اس وقت سپورٹ کرتی ہیں، جب اس قسم کا حادثہ پیش آتا ہے، اسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان اسباب کو حاصل کرو جو غصے کے ردّ میں معاون ثابت ہوں۔

دوسرا پہلو یہ ہے، کہ ان خصائل اور رذائل ہی سے بچو جو غصے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن کی وجہ سے غصہ آتا ہے، دفع شرّ، وہ چیزیں طبیعت میں ہوں، ان چیزوں کو کنٹرول کرلیا جائے، جو غصے کے اسباب ہیں، اور پھر اس سے تمہارے اندر یہ ملکہ پیدا ہو، یہ صلاحیت واہمیت پیدا ہوجائے کہ جس وقت تمہارے اوپر غصہ طاری ہو، اس وقت تم اپنے نفس پر کنٹرول کرسکو۔

اسی لئے قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: " فَلَمَّا

سَكَتَ عَنْ مُوْسَى الْغَضَبُ "(الاعراف:154) ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

غصے میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں، یا کوئی چیز کی جاتی ہے یا کسی چیز سے روکا جاتا ہے، کسی کو کچھ کرنے کا کہتا ہے، یا کسی کام سے رکنے کے لیے کہتا ہے، اس صورت میں بندے کو اپنے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے، تاکہ بندہ غصے کے شر سے بچ سکے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر میں غصہ چلا جاتا ہے، اور کبھی تھوڑا ٹائم لیتا ہے اور ایسے ہو جاتا ہے کہ جیسے اسے غصہ آیا ہی نہیں تھا۔

غصہ کا علاج:

اسی کیفیت کو قرآن پاک میں بیان کیا گیا کہ: " وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ" (الشوریٰ:37) ترجمہ: اور جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ ان کو غصہ آتا ہی نہیں۔ اب سمجھنے کی دو باتیں ہیں ایک یہ ہے کہ غصہ آئے ہی نہ، یہ اعجاز اور معجزہ ہے اور یہ غیر نبی کے لیے محال ہے، اس لیے قرآن نے یہ نہیں کہا کہ غصہ آئے ہی نہ، بلکہ فرمایا جب آئے تو اس کو کسی نہ کسی طریقے سے ریلیز کرے، کبھی در گذر کر دے اور کبھی معاف کر دے اور اس کی معراج یہ ہے کہ " وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (ال عمران:134) ترجمہ: اور غصے کو پینے والے لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے دو صاحب آپس میں لڑ پڑے یعنی ان میں توں توں ہو گئی، صحابہ کرام علیہم الرضوان کہتے ہیں: کہ ہم بیٹھے تھے کہ ایک نے دوسرے کو کچھ مغلظات سنائیں۔ غصے میں چہرے

سرخ ہو رہے ہیں اور نتھنے پھولے ہوئے ہیں کہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَ اَعْلَمُ کَلِمَۃً لَوْ قَالَھَا لَذَھَبَ عَنْہُ مَا یَجِدُ لَوْ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ " فرمایا: میں ایک ایسا جملہ جانتا ہوں اگر یہ پڑھ لیتا تو اس کا غصہ جاتا رہتا وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے۔ صحابہ کرام نے اس شخص سے کہا: "ألا تسمع ما یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم " اے غصے کے مارے ہوئے انسان کیا تو ابھی سن نہیں رہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرما رہے ہیں، تو یہ فقرہ پڑھ لے اور اس کیفیت سے بچ جا، تو اس غصے سے بھرے ہوئے انسان نے کہا "قال انی لست بمجنون" میں کوئی دیوانہ یا پاگل نہیں ہوں میں نے سن لیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا فرمایا ہے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ مبارکہ میں بہت نزاکت اور حکمت پوشیدہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براہ راست اس شخص کو مخاطب نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام سے فرمایا کہ میرے پاس ایک نسخہ ہے اگر یہ اس پر عمل کر لیتا تو اس کیفیت سے بچ جاتا۔ یہ مقام غور ہے کہ جب آپ کسی کو کوئی نصیحت کریں تو حکمت اور احسن طریقے سے کریں اور حکم بھی یہی ہے کہ: "اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" (حم سجدہ:34) ترجمہ: جو احسن طریقہ ہے حکمت کے ساتھ۔

کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی غصے میں آئے ہوئے شخص کو ہم نصیحت کرتے ہوئے اس سے بھی زیادہ غصے میں چلے جاتے ہیں، اسی لئے حدیث پاک میں خطبے کے دوران گفتگو ممنوع ہے لیکن فرمایا جس نے کسی گفتگو کرنے والے کو روکا، اس نے بھی خطا کی۔ ایک خطا کو روکنے کے لئے خود ایک خطا کا مرتکب نہ ہو۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضور علیہ الصلوۃ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"أَلَا اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ"

ترجمہ: غصہ انگارے کی طرح انسان کے دل میں ہوتا ہے، یعنی ایک انگارہ ہے اوراس کے دل میں دہک رہا ہے یہ غصے کی مثال ہے۔

أَفَمَا رَأَيْتُمْ اِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ، وَانْتِفَاخِ أَوْدَاجِهِ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق دعا فرمائے۔ آمین!

واخر دعوانا عن الحمد للہ ربّ العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

یحییٰ بن خالد برمکی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔
ہر علم میں سے ایک اچھا حصہ حاصل کرو کیونکہ آدمی جس علم سے جاہل ہوتا ہے، اس سے بغض رکھتا ہے اور مجھے منظور نہیں کہ تم کسی علم سے بھی بغض رکھو۔

درس حدیث نمبر: 7

ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت

ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن اسامۃ بن زید رضی اللہُ عنہُ قال: قلتُ یا رسولَ اللہِ ﷺ لم ارك تصوم شھرا من الشھور ما تصوم من شعبان ؟ قال: ذالك شھر یغفل الناس عنہ بین رجبٍ و رمضان، وھو شھر ترفع فیہ الاعمال الی ربِّ العالمین، فاحبّ ان یرجع عملی و أنا صائمٌ [1]

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنے روزے آپ شعبان میں رکھتے ہیں اتنے روزے میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں رکھتے نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (وجہ یہ ہے) کہ

ا۔ سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رقم: 2359: مسند احمد بن حنبل رقم: 20758

رجب اور رمضان کے درمیان ہونے کی وجہ سے لوگ شعبان سے غفلت کر جاتے ہیں حلانکہ یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس مہینے میں رب العالمین کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت میں اٹھائے جائیں کہ میں روزہ دار ہوں۔

روی عن انس بن مالك رضی الله عنه، قال: كان رسول الله ﷺ يصوم ولا يفطر حتى نقول ما فى نفس رسول الله ﷺ ان يفطر العام ثم يفطر فلا يصوم حتى نقول ما فى نفسه ان يصوم العام وكان احب الصوم اليه فى شعبان

احباب ذی وقار! آج کا درس حدیث دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے کے متعلق میں نے احادیث، سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل، معجم الطبرانی سے اور دوسری روایت امام ترمذی سنن جامع ترمذی میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں۔

قال سئل النبی ﷺ ای صوم افضل بعد رمضان قال: شعبان لتعظيم رمضان

شعبان کے مہینہ کی خصوصیات بہت ساری ہیں ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کثرت سے روزے رکھنا ہے شعبان رجب اور رمضان کے درمیان میں ایسا بابرکت اور خاص الخاص مہینہ ہے جس کے اندر اللہ نے بڑی برکتیں اور رحمتیں رکھی ہیں اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ان برکتوں سے رحمتوں سے اگاہ کر کے فیضیاب فرمایا تو ان تبرکات میں سے جو شعبان روزے کے متعلق ہیں۔

راوی حدیث کا تعارف

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما وہ نوجوان جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال مبارک سے پہلے ایک لشکر کا امیر مقرر کیا تھا اور جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالا تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ لشکر اسی نوجوان کی قیادت میں روانہ کیا جائے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا پھر وہ لشکر گیا اور امیر المومنین نے ان کی سواری کو پکڑ کے اور ساتھ دوڑ کے اس امیر کو رخصت فرمایا، وہ اسامہ بن زید کہ جن کے باپ حارثہ کو محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا تھا پھر ان کے بعد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو یہ شرف ملا۔ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیار اور محبت فرماتے تھے، بچپن میں جو زیورات بچیوں کے لیے ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے کان، ماتھے پر لگا کر لاڈ پیار فرماتے تھے۔ ان کی محبوبیت پر صحابہ کرام رشک کرتے تھے، ایک غلام ابن غلام اس کا یہ شرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا بڑھایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے لوگ اپنے بیٹوں سے کہتے تھے کہ اے عبداللہ نہ تو اسامہ جیسا ہے نہ تیرا باپ زید جیسا ہے وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا "قلتُ یا رسولَ اللہِ ﷺ لم ارك تصوم شهرا من الشهور ما تصوم من شعبان" جتنے روزے آپ ماہ شعبان میں رکھتے ہیں کسی اور مہینے میں اتنے روزے رکھتے نہیں دیکھا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قال: ذالك شهر يغفل النّاس عنه بين رجبٍ و رمضان" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (وجہ یہ ہے) کہ رجب اور رمضان کے درمیان ہونے کی وجہ سے لوگ شعبان سے غفلت کر جاتے ہیں، اس کی عظمت سے ناواقف ہیں۔

شعبان میں اعمال کا پیش ہونا

وھو شھر ترفع فیہ الاعمال الی ربِّ العالمین حلانکہ یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس مہینے میں رب العالمین کے سامنے اعمال نامہ پیش کیا جاتا ہے، فاحبّ ان یرجع عملی و اَنَا صَائِمٌ فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا اعمال نامہ میرے رب کی بارگاہ میں جائے تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔

اس میں ترغیب و تعلیم ہے تاکہ میری امت کے لیے یہ سنت بن جائے کہ وہ شعبان میں نفلی روزے رکھیں کہ جب شعبان میں ملائکہ ہمارا اعمال نامہ بارگاہ میں الوہیت میں پیش کریں جس وقت وہ دفتر نامہ پیش ہو رہا ہو تو اسی وقت کرنٹ رپورٹ یہ جائے کہ یہ بندہ اس وقت روزے کی حالت میں ہے فلسفہ کیا ہے کہ اگر کوئی کوتائی بھی ہو لغزش بھی ہو تو رب العالمین جو روزے کے بارے میں اس کا یہ فرمان ہے کہ "انا صوم لی و انا اجزی به" روزہ میرے لیے اور میں خود روزہ کی جزا ہوں، میں خود روزہ کا بدلہ ہوں وہ اس پر مہربان ہو جائے اور وہ اس وقت اس کا روزہ دار ہونا اس کے لیے باعث نجات ہو جائے۔

اس میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو بندہ اس حال میں دنیا سے جائے اس کے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ وہ روزے کی حالت میں ہو تو یہ اس کی بخشش اور نجات کی دلیل ہے۔

دوسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے ہے "کان رسول اللہ ﷺ یصوم ولا یفطر" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نفلی روزے رکھتے تھے تو پھر رکھتے ہی جاتے تھے، جب ماہ شعبان میں نفلی روزے رکھنے کا سلسلہ شروع ہوتا تو رکھتے ہی چلے جاتے درمیان میں ناغہ نہیں کرتے تھے "حتی نقول ما فی نفس رسول

اللہ ﷺ ان یفطر العام "فرماتے ہیں ہم یہ گمان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پورے سال پورے ہی روزے رکھیں گے "ثم یفطر فلا یصوم" پھر ایک دم ناغہ آتا ایسے لگتا اب کبھی نہیں رکھیں گے پورا سال نہیں رکھیں گے "وکان احب الصوم الیه فی شعبان" اور نفلی روزوں میں سے جو سب سے محبوب روزہ تھا وہ شعبان معظم کا روزہ تھا۔

وقفہ کر کے روزے رکھنے کی حکمتیں

ایک حکمت یہ ہے کہ جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ پس تو ہر حق والے کو اس کا حق دے دے، معلوم ہوا انسان کو جو نفس ملا ہے وہ اللہ کی طرف سے انسان کے پاس امانت ہے اور انسان کو اس بات کا حکم ہے کہ اس کے حق کی ادائیگی کرے نفس کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے تاکہ اس کا نفس اسے اس کی منزل مقصود تک پہنچا دے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ "قال سئل النبی ﷺ ای صوم افضل بعد رمضان" ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے۔ یہاں فرائض کے علاوہ نفلی روزوں کی بات ہو رہی ہے، تو سوال کیا گیا کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ کونسا ہے "قال: شعبان لتعظیم رمضان" ترجمہ: فرمایا شعبان کا رمضان کی تعظیم کے لیے۔ تعظیم وتکریم کا اجر وثواب کا فلسفہ دیکھیے، سوال یہ تھا کہ افضل روزہ رمضان کے بعد کونسا ہے تو فرمایا شعبان معظم کا اور اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ رمضان سے جڑا ہوا ہے، رمضان کی تعظیم کے لیے اور اس کے استقبال کے لیے رمضان کی تیاری کے لیے شعبان کے

روزے رکھنا شروع کر دیئے اس ماہ رمضان کے ساتھ جڑے ہوئے کی برکت کی وجہ سے تاکہ اس میں بھی برکت ہو جائے، ایک طرف سے دیکھیں تو شعبان جڑا ہوا ہے دوسری طرف دیکھیں تو شوال جڑا ہوا ہے تو اس حدیث اور فارمولا سے یہ بات سمجھ آ گئی کہ جو ادھر سے جڑا ہوا ہو یا دوسری طرف سے جڑا ہوا ہے اس میں رمضان کے انوار کا اثر ہوگا، اس لیے ادھر چھ رکھ دیے تاکہ جو تیس کے ساتھ یہ چھ رکھ لے پورے چھتیس اس کو 360 پر تقسیم کر لیں تو پورا سال روزہ کا ثواب ہوگا فرمایا جو رمضان کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھ لے گویا اس کو پورا سال کے روزے کا ثواب ہوگا، اس پر غور کریں شعبان رمضان سے جڑا تو اس میں برکت پیدا ہو گئی شوال رمضان کے ساتھ جڑا تو اس میں برکت پیدا ہو گئی اور اگر انسان رمضان کے جڑ جائے تو؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر بھی کوئی خاصیت پیدا ہو گئی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب رجب کا چاند نظر آتا تو یہ دعا فرماتے تھے "اللّٰھم بارك لنا فی رجب و شعبان و بلغنا الی رمضان" ترجمہ: اے اللہ ہمارے رجب میں برکت دے شعبان میں برکت دے اور ہمیں خیریت کے ساتھ رمضان تک پہنچا۔ یعنی ہم رمضان کو پالیں یہ جو رمضان کا زندگی میں اگلے سال پالینا ہے یہ اللہ کا اتنا بڑا فضل ہے اتنی بڑی مہربانی ہے کہ انسان کے تصور سے باہر ہے کہ اس نے زندگی میں کتنے رمضان پائے یہ ایسا معاملہ ہے۔ رجب سے ہی بندہ کو رمضان اور رمضان کی برکات کو سمیٹے کے لیے بندے کو تیاری شروع کر دینی چاہیے پھر جیسے جیسے قریب آتا جائے پھر عملی بھی تیاری شروع کر دے پھر کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ کا جو محبوب روزے ہیں وہ رکھ کے اپنی روحانی تیاری کرتا رہے۔

اگلی روایت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "ان النبی ﷺ

کان یصوم شعبان کلہ "فرماتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے "قالت، قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" فرماتی ہیں میں عرض کیا "احب الشھور الیك ان تصوم لہ شعبان"[1]

حضور آپ کا پسندیدہ مہینہ جس میں آپ روزے رکھیں وہ شعبان ہے فرمایا "ان اللہ یکتب فیہ علی کل نفس میتہ تلك السنہ و احب ان یاتیہ اجلی واناصائم "فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو موت دینا ہوتی ہے وہ اس مہینہ کے اندر لکھتا ہے اس سال جس نے مرنا ہے وہ اس ماہ شعبان میں درج کیا جاتا ہے کہ اس شعبان اور اگلے شعبان کے درمیان یہ یہ روحیں پرواز کریں گی، "و احب ان یاتیہ اجلی واناصائم" فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میں اس حال میں موت آئے کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: " کان رسول اللہ ﷺ یصوم حتی نقول ما یفطر، و یفطر حتی نقول ما یصوم"[2]

کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے چلے جاتے ہمیں لگتا کہ آپ نہیں چھوڑیں گے اور جب درمیان میں وقفہ آجاتا تو ایسا لگتا اب نہیں رکھیں گے۔وما رایت رسول اللہ ﷺ استکمل صیام شھر قط الا شھر رمضان وما رایتہ فی شھر اکثر صیامامنہ فی شعبان"[3]

اس کو امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ سارا سال تو یہی معمول رہتا تھا جب رکھنا شروع کیے تو رکھتے چلے گے اور جب چھوڑ دیئے تو

۱۔ سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رقم:2353

۳۔ لطائف المعارف:1/128

بس چھوڑ دیئے لیکن جب شعبان کا مہینہ آجا تا تھا تو اس میں وہ روٹین نہیں ہوتی تھی اس میں لگتا تھا پورا مہینہ ہی شعبان کا روزہ رکھیں گے، مہینہ پورا یا مہینے کا اکثر حصہ روزے میں گزارتے تھے، آپ فرماتی ہیں کہ میں شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے میں اتنی کثرت کے ساتھ روزے رکھتے نہیں دیکھا جتنے کہ شعبان کے مہینے کے اندر رکھتے تھے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فرمان

دوسری روایت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی مشہور حدیث پاک ہے فرماتی ہیں "ما رایت رسول اللہ ﷺ یصوم شهرین متتابعين الا شعبان ورمضان"[1]

ترجمہ: ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دو مہینے سوائے شعبان اور رمضان کے سارا سال روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

لوگوں کی شعبان سے غفلت

یہ مہینہ ایسا ہے کہ رجب اور شعبان میں واقع ہونیکی وجہ سے لوگ عموماً اس مہینے سے غافل ہو جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ مہینہ دو عظیم مہینوں، حرمت کا مہینہ رجب اور روزوں کا مہینہ رمضان کے درمیان ہے لووگ رجب اور رمضان میں مشغول رہتے ہیں اور شعبان سے غفلت کرتے ہیں اور بہت سارے لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ماہ رجب کے روزے شعبان کے روزوں سے افضل ہیں کیونکہ یہ حرمت کا مہینہ ہے اگرچہ ایسی بات نہیں ہے حضرت عائشہ صدیقہ

1۔ سنن ترمذی : ابواب الصوم ، رقم: 668، سنن نسائی : کتاب الصیام ، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رقم: 2354: لطائف المعارف: 128/1

رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کچھ لوگوں کا ذکر کیا گیا کہ وہ رجب کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر شعبان کے روزوں میں وہ کہاں جائیں گے۔

فضائل شب برات کی صحیح روایات

شبِ نصف شعبان جسے ہمارے عرف میں ''شبِ برات'' کہتے ہیں، خاص راتوں میں سے ہے اور اس کے فضائل میں صحیح وحسن احادیث کے علاوہ ایسی ضعیف الاسناد روایات بھی بکثرت موجود ہیں جو تعدد طرق یا شواھد ومتابعات کے سبب ترقی پا کر ''حسن لغیرہ'' کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف صحیح وحسن روایات کے بیان پر اکتفا کریں گے۔

نصف شعبان سے متعلق صحیح احادیث

شب برأت یا شعبان کی پندرہویں رات کے حوالے سے صحیح، حسن اور مقبول رو ایات متعدد صحابہ کرام علیھم الرضوان سے مروی ہیں جن کی فہرست حسبِ مراتب کچھ یوں ہے:

۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

۵) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ

۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

۷) حضرت کثیر بن مرۃ الحضرمی رضی اللہ عنہ

۸) حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ

۹) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

پہلی روایت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ینزل اللہ تبارك وتعالیٰ لیلة النصف من شعبان الی السماء الدنیا . فیغفر لکلّ نفس الاّ انسا ناً فی قلبه شحناء أو مشر کاًباللہ عزّوجل[1]

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دنیا کی طرف (اپنی شایان شان) نزول فرماتا ہے اور ہر کسی کو بخش دیتا ہے سوائے اس انسان کے جس کے دل میں کینہ ہو یا وہ اللہ عزّوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا ہو۔"

امام بزّ ار[2] امام ابن خزیمہ اور دیگر ائمہ کے علاوہ شیخ البانی نے بھی اس حدیث کی متعدد مقامات (کتاب السنۃ، رقم:۵۰۹، صحیح الترغیب، صحیحو الجامع اور سلسلۃ الصحیحہ وغیرہ) پر تصحیح و تحسین کی ہے۔

عن النبی ﷺ قال: یطلع اللہ الی خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الا لمشرك أو مشاحن.[3]

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو اپنی مخلوق کی طرف (اپنی شایان شان) ظہور فرماتا ہے اور اپنی تمام مخلوق کو کو بخش دیتا ہے۔ سوائے اس کے جو

۱۔ (ا) المنذری: عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب و الترہیب: (مترجم) ج:۲/۱۵ رقم:۱۵۱۷ مطبع: اشرف اکیڈمی، نیلا گنبد، لاہور

(ب) البزّ ار، مسند البزّ ار: ۲/۴۳۵

۲۔ (ا) المنذری: عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترہیب ۱/۲۰۷ مطبع: دار ابن کثیر دمشق۔ بیروت

۳۔ (ا) الھیثمی، علی بن ابوبکر: مجمع الزوائد:۸/۱۲۶ رقم:۱۲۸۶۰ مطبع: دار الفکر، بیروت (۱۴۱۲ھ)

(ب) طبرانی، احمد بن سلیمان: معجم کبیر:۱۶/۹۴ رقم:۱۸۰۳۹

اللہ عزّوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا ہو، یا وہ شخص جس کے دل میں کینہ ہو۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجالھما ثقات

''امام ابوبکر الہیثمی کہتے ہیں: اسے طبرانی نے کبیر اور اَوسط میں روایت کیا اور دونوں روایات کے راوی ثقات ہیں۔''

''محدّث عصر شیخ ممدوح کا تبصرہ''

اس روایت کو مکحول نے مالک بن یخامر سے انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ چنانچہ شیخ محمود سعید ممدوح حفظہ اللہ تعالی بعض ناقدین کے تعاقب میں لکھتے ہیں:

و مالك بن يخا مرثقه مخضرم وقد ادركه مكحول فلا انقطاع فی اسناد كما قيل ، والحاصل أن ابن حبان أصاب فی تصحيحه لهذا الحديث ومن الطريق السابقين فقد تعلم تقصير من حكم على هذا الحديث بالضعف۔[1]

''مالک بن یخامر ثقہ اور مخضرمی ہے اور یقیناً مکحول نے اس کا زمانہ پایا ہے اور اس کی سند میں کوئی انقطاع نہیں جیسا کہ (لوگوں) نے کہا ہے اور خلاصہ یہ کہ ابن حبان نے بجا طور پر اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور دونوں سابقہ طرق سے اس حدیث پر ضعف کا حکم لگانے والے کی کوتاہی معلوم ہو چکی ہے۔''

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں شیخ احمد شاکر کہتے ہیں: (اسنادہٗ صحیحٌ)[2]

۱۔ ممدوح، محمود سعید: التعریف باوہام من قسم السنن ابی صحیح وضعیف: ۴/۲۷۴ مطبع: دار البحوث للدراسات الاسلامیہ، دوبئی (۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء)

۲۔ احمد بن حنبل، امام: مسند احمد: ۲/۱۷۶ رقم: ۶۶۴۲ مطبع: دار المعارف، مصر ۱۹۸۰ء

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کو (اصلاح المساجد، رقم:۹۰) صحیح کہا ہے۔

سلسلۃ الصحیحہ (رقم:۱۱۴۴) میں جملہ طرق سے اس روایت کو نقل کر کے البانی کہتے ہیں: (صحیح بمجموع طرقہ) ''اپنے مجموعی طرق کے ساتھ صحیح ہے۔''[1]

صحیح ابن ماجہ میں[2] ابوموسیٰ اشعری اور صحیح الجامع[3] میں ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ کی روایت کو شیخ البانی نے ''حسن'' کہا ہے۔ کثیر بن مرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کو البانی نے ''صحیح الجامع''[4] میں صحیح اور ''الترغیب والترہیب''[5] میں ''صحیح لغیرہ'' کہا ہے۔ ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو البانی نے ''صحیح الترغیب'' (رقم:۲۷۷۱) میں ''صحیح لغیرہ'' کہا ہے۔[6]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں امام شمس الدین السخاوی کہتے ہیں:

''لیس فی رجالہ من تکلم فیہ۔'' (الأجوبۃ المرضیۃ: ۱/۳۲۵) اس کے راویوں میں کوئی کلام نہیں ہے۔[7]

جملہ معترضہ: علامہ ناصر الدین البانی کے علمی کارناموں پر نظر رکھنے والا ہر

۱۔ البانی، ناصر الدین: السلسلۃ الصحیحہ: ۳/۱۳۵ رقم:۱۱۴۴ مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض

۲۔ البانی، ناصر الدین: صحیح ابن ماجہ: رقم:۱۱۴۸ مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض

۳۔ البانی، ناصر الدین: صحیح الجامع: ۱/۳۸۵ رقم: ۱۸۹۸ مطبع: المکتب الاسلامی، دمشق

۴۔ البانی، ناصر الدین: صحیح الجامع: رقم:۴۲۶۸ مطبع: المکتب الاسلامی، دمشق

۵۔ البانی، ناصر الدین: صحیح الترغیب والترہیب: رقم:۲۷۷۰ مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض

۶۔ ایضاً: رقم:۲۷۷۱

۷۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمن: الأجوبۃ المرضیۃ: ۱/۳۲۵ رقم: ۸۶ مطبع: دار الرّایۃ، الریاض (۱۴۱۸ھ)

طالب علم جانتا ہے کہ ان کی اپنی ہی کتب تضادات وتناقضات سے مملو ہوتی ہیں، خصوصاً احادیث کے معاملے میں صحت وضعف کا حکم لگانے میں جو لغزشیں اُن سے سرزد ہوئی ہیں اُن کی نشاندہی اور انکشاف کرنے والے محققین میں شیخ عبداللہ صدیق الغماری، شیخ احمد الدرویش، شیخ علی بن حسن السقّاف اور شیخ محمود سعید ممدوح سرفہرست ہیں۔ اس سلسلہ میں شیخ سقاف کی تالیف ''تناقضات الالبانی الواضحات'' نہایت اہمیت کی حامل کتاب ہے۔

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر:8

اصلاح قلب اور ترک مشتبہات

اصلاح قلب اور ترک مشتبہات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن عامر قال سمعت النعمان بن بشیر رضی الله عنهما یقول: سمعتُ رسول الله ﷺ یقول: الحلال بین، و الحرام بین و بینهما امورٌ مشتبهاتٌ، لایعلمهنّ کثیرٌ من النّاس فمن اتّقی الشبهات فقد استبرأ لدینه و عرضه، و من وقع فی الشبهات وقع فی الحرام، کالرّاعی یرعی حول الحِمَی یوشك ان یرتع فیه، الا و ان لکل مَلِكٍ حمی، الا و ان حمی الله محارمه، الا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله، و اذا فسدت فسد الجسد کله، الا و هی القلب[1]

ا۔ صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ان الحلال بین وان الحرام بین

ترجمہ: حضرت نعمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک حلام بھی واضح ہے اور بالاشبہ حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشکوک چیزیں ہیں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے جو شخص ان چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا جو شخص ان مشکوک چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ مثال دی کہ جیسا ایک چرواہا ہے بکریاں چرا رہا ہے اس کو پتہ ہے کہ میں نے اس چراگاہ میں بکریاں چرانی ہیں، اگر اس کی بکریاں اس حد سے کراس کر جائیں آگے نکل جائیں تو قریب ہے کہ وہ کسے دوسرے کی چراگاہ میں منہ ماردیں اور ایسا ہوتا ہے جس سے بڑی لڑائیاں اور فتنے ہوتے ہیں اس لیے فرمایا کہ ہر بادشاہ کی بھی ایک چراگاہ ہوتی ہے ایک حد ہوتی ہے ایک سیرگاہ ہوتی ہے ایک شکارگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ وہ اس کے محرمات ہیں جن چیزوں کو اس نے حرام کیا وہ اس کی حد ہے جس نے اس کو کراس کیا گویا اس نے اللہ کی حد کو پھلانگا، اللہ کی چراگاہ میں منہ مارا۔ خبردار سن لو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب یہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، جب یہ بگڑ جائے اس میں فساد آجائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے۔

فوائد الحدیث

حضرات گرامی قدر! اس درس حدیث میں ہم متن، راوی اور اس حدیث کو کس کس محدث نے روایت کیا ہے پہلے اس کو پڑھتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ سلسلہ اسناد میں جتنے نام آتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ سے انہوں نے اپنے شیخ سے یعنی فلاں بن فلاں اگر ایک حدیث ہو تو اس میں چار، پانچ نام آتے ہیں صرف بائیس حدیث ایسی ہیں جن میں تین واسطے آتے ہیں باقی کی ساری حدیثوں

میں چار، پانچ، چھ راوی ہوتے ہیں اس کی برکت یہ ہے کہ جتنے نام روایت کرتے ہوئے محدث بیان کرتا ہے اس نام لینے کی برکت سے پڑھنے والوں کی وبائیں اور مشکلیں ٹل جاتی ہیں اس کو ہماری اصطلاح میں ختم بخاری شریف کہتے ہیں۔

ختم بخاری شریف

ختم بخاری شریف جو کوئی کرتا ہے ظاہر ہے کوئی عام آدمی تو نہیں کرے گا، کوئی محدث کرے گا، کوئی امام کرے گا، کوئی شیخ الحدیث کرے گا، طالب علم بھی کیا کرے گا، جو حدیث کے ائمہ تھے جب وہ مدینہ منورہ جاتے تھے عام حاجی جاتا ہے تو کوئی قرآن پڑھتا ہے کوئی ذکر واذکار کرتا ہے، لیکن جو محدثین ہیں وہ بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر پوری بخاری شریف سناتے تھے ان کی روایت یہ ہے، کہ جس کا کلام ہے انہیں کو سنائیں جن کا کلام ہے انہیں کو تلاوت کر کے سنا رہے ہیں اسی لیے حدیث کی کتابوں کو بھی اور بخاری شریف کو بھی ائمہ کرام نے پاروں میں تقسیم کیا ہے، پھر اس کو وہاں پر پڑھنا جن کا یہ کلام ہے، بندہ نور علی نور ہو جاتا ہے شکر ہے کہ ختم بخاری شریف کا کوئی بھی منکر نہیں ہے کسی بھی مدرسے میں کسی بھی مکتبہ فکر میں جہاں حدیث کا درس ہوتا ہے وہاں ختم بخاری ضرور ہوتا ہے جب ختم بخاری ہوتا ہے تو امام اس میں حدیث پڑھتے ہوئے محدث سے لے کر خود صاحب حدیث تک سارے بزرگوں کے نام لیے جاتے ہیں ''وعن فلاں وعن فلاں'' راویوں کا نام لیا جاتا ہے جتنے بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے ان کا نام لینے کی برکت اور حدیث پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالی کی طرف رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور لوگوں کی مشکل کشائی بھی ہو جاتی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب

ہم جب حدیث پاک پڑھتے ہیں تو بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں اور اس میں

ٹانگیں پھلا کے نہیں بیٹھنا چاہیے، اس لیے کہ جہاں خالص درس حدیث ہو رہا ہو وہ مجلس، مجلس نبوت ہوتی ہے۔ یہ میرا کلام نہیں یہ اس ہستی کا کلام ہے جس کا میں نے اور آپ نے کلمہ پڑھا ہوا ہے اور جس کا رب اس کی محفل میں بیٹھنے کا ادب خود سیکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

(الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور ان کے ساتھ اس طرح بلند آواز کے ساتھ بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔

میرے محبوب کی بارگاہ میں ادب سے بیٹھنا ایسا نہ ہو کہ جو تھوڑی سی کمائی ہے وہ بھی نہ لٹ جائے، اس لیے درس حدیث میں ادب سے بیٹھیں تا کہ اس کا حقیقی فائدہ ہو، متن حدیث کو اس طرح سنیں اور تلاوت کریں کہ نبی بول رہا ہے اور امتی سن رہا ہے یہ الفاظ زبان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکلتے تھے اور صحابہ کرام سنتے تھے

پھر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "رحم اللہ خلفائی" اللہ تعالیٰ میرے خلفاء پر رحم کرے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، آپ کے خلفاء کون ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری حدیثیں اسی طرح جس طرح میری زبان پاک سے نکلی ہوں اس کو سنیں گے اور آگے پہنچائیں گے۔ اور میری امت کو سنائیں

گے وہ میرے خلفاء ہوں گے تو جو علماء، امام وہ واسطہ ہیں اصل میں کلام تو رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

حضرات گرامی قدر! اس حدیث کو ائمہ کرام نے ثلث اسلام کہا ہے، یہ اسلام کا تیسرا حصہ ہے جس نے اس حدیث کو پڑھ لیا، سمجھ لیا اس نے اسلام کا تیسرا حصہ علم حاصل کر لیا۔

راوی حدیث کا تعارف

حضرت سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما صحابی ابن صحابی ہیں، یعنی بیٹا بھی صحابی اور باپ بھی صحابی ہے، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت صحابی تھے اور حضرت بشیر رضی اللہ عنہ ان کے باپ حضور ﷺ کے بڑے محبوب صحابی تھے۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک حلال بھی واضح ہے اور بلاشبہ حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشکوک چیزیں ہیں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے جو شخص ان چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا جو شخص ان مشکوک چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ مثال دی کہ جیسا ایک چرواہا ہے بکریاں چرا رہا ہو اس کو پتہ ہے کہ میں نے اس چراگاہ میں بکریاں چرانی ہیں، اگر اس کی بکریاں اس حد سے کراس کر جائیں آگے نکل جائیں تو قریب ہے کہ وہ کسی دوسرے کی چراگاہ میں منہ مار دیں اور ایسا ہوتا ہے جس سے بڑی لڑائیاں اور فتنے ہوتے ہیں اس لیے فرمایا کہ ہر بادشاہ کی بھی ایک چراگاہ ہوتی ہے ایک حد ہوتی ہے ایک سیر گاہ ہوتی ہے ایک شکار گاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ ہے وہ اس کے محرمات ہیں جن چیزوں کو اس نے حرام کیا وہ اس کی حد ہے جس نے اس کو کراس کیا گویا اس نے اللہ کی حد کو پھلانگا، اللہ کی چراگاہ

میں منہ مارا۔

آج جو درس کا موضوع ہے: "الا و ان من الجسد مضغة" خبردار سن لو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے "اذا صلحت صلح الجسد كله" جب یہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے "واذا فسدت فسد الجسد كله" جب یہ بگڑ جائے اس میں فساد آ جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے "الا وهی القلب" یہاں دیکھیں شروع میں بھی "الا" ہے اور جب ختم ہوا وہاں بھی ہے، "اَلَآ" کا جو لفظ ہے قرآن میں "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (یونس:62) یہ (اَلَآ) اس لیے آتا ہے کہ خبردار ہو جاؤ، ہوشیار ہو جاؤ، بڑی اہم اور ضروری بات ہے "الا وهی القلب" اور وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے، حجم میں کتنا چھوٹا سا ہے لیکن اس کا کام اور فنکشن سارے جسم کا دارومدار اس پر ہے اس میں معجزہ بھی ہے کہ وہ چیزیں جو سائنس نے ہمیں چودہ سو سال بعد بتائی، ہمارے آقا علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے وہ بتا دیں کہ پورے وجود کی بلڈ سرکولیشن، فلٹریشن کا دارومدار دل پر ہے جسمانی طور پر بھی بلڈ کا جو پریشر ہے اس کا درست ہونا اس کی بلڈ سرکولیشن کا درست رہنا اس کی فلٹریشن کا درست رہنا اس کے سارے والز کا درست رہنا اس کا دارومدار قلب پر ہے لیکن ہمارے آقا علیہ السلام نے طب کا علم بھی چودہ سو سال پہلے عطا فرما دیا اور یہ ساتویں صدی ہجری میں ایک مسلمان سائنس دان اگر وہ عالم تھا تو یقیناً اس نے اسی حدیث کی روشنی میں ریسرچ کی ہوگی اس نے پہلی بار دریافت کیا تھا کہ یہ دل، سرکولیشن، دل کی دھڑکن جو دھڑکتی ہے اور کتنی بار دن میں دھڑکتی ہے، ایک منٹ میں غالباً ستر بار دھڑکتا ہے، کتنی بار چوبیس گھنٹے میں کتنی بار ایک مہینے میں کتنی بار سال میں دھڑکتی ہے یہ ساری کلکولیشن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں ملی اور اسی کی روشنی آج جدید میڈکل سائنس جو ہے وہ ہمیں بتاتی

ہے کہ تمہارے بلڈ پریشر کی رفتار کیا ہے جو اصل مقصود ہے اس پر بات کرنی ہے ظاہری بیماریاں جسمانی امراض ہر عضو کا جسم میں ایک فعل ہے ہاتھ پکڑتے ہیں، آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے زبان چکھتی ہے کھانے میں مدد کرتی ہے سب کا اپنا اپنا کام ہے، اگر ہاتھ پکڑنا چھوڑ دے، کان سننا چھوڑ دے پاؤں چلنا چھوڑ دے زبان چکھنا چھوڑ دے تو کیا ہوگا؟ کام معطل ہو جائے گا، جزوی طور کام رک جائے گا، اگر سارے اعضاء بالکل ٹھیک ہوں اور دل اپنا کام چھوڑ دے ہارٹ فیل ہو جائے، تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ جو دل ہے وہ اس سلطنت جسمانی کا بادشاہ ہے باقی سارے اس کی رعایہ ہے اس کے انڈر ہے اس کا سٹاف ہے یہ دماغ اس کا وزیر ہے وہ اس کو مشورے دیتا ہے اس کو میسج send کرتا ہے پھر اس کی مرضی ہے Resive کرے، اس کو save کرے، اس کو delet کرے، اس پر عمل کرے پھر آگے اس کی حالت پر depind کرتا ہے تو مثال کی روشنی میں آپ اندازہ کر لیجیے کہ اب اگر قلب بیمار ہے مریض ہے یا روحانی طور پر کمزور ہے جو کام اس سے اللہ کی بندگی کے حوالے سے لینا ہے، جس طرح جسمانی طور پہ خراب ہو جائے تو اس طرح روحانی طور پر اگر یہ خراب ہو جائے اس کا تعلق باللہ کمزور ہو جائے اس کا اللہ سے تعلق ختم ہو جائے اور یہ بھی سمجھ لیں کہ اس کام کیا ہے یہ بتایا کہ آنکھ دیکھتی ہے کان سنتا ہے اب وہ بندے کی مرضی ہے کہ آنکھ سے کیا دیکھے اور کان سے کیا سنے اور ہاتھ سے کیا پکڑے اور پاؤں کہاں لے کر چلے اسی طرح جو قلب ہے اس کا جسمانی فنکشن تو یہ ہے۔ دینی اور روحانی فنکشن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"، (الرعد:28) ترجمہ: خبردار دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے۔

اللہ کا ذکر اللہ کی یاد، سب سے پہلے نور ایمان کا ہونا اس قلب میں پھر اپنے پروردگار کی معرفت کا اس قلب کے اندر ہونا، پھر ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک ہونا اور اللہ

کی یاد میں محو ہونا اس کے ذکر میں ہونا یہ اس کے کام ہیں، اور ہمارے دین کی ایک بنیاد ہے۔

انما الاعمال بالنیات[1]

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور نیت قلب کے ارادے کو کہتے ہیں، قلب کے فعل کو جیسے سارے اعضاء چل رہے ہوں اور قلب نہ چل رہا ہو تو سب ختم ہے اسی طرح اگر بندہ سارے اعمال صالحہ کر رہا ہو اور اس میں نیت نیک نہ ہو تو سب ختم ہے اگر نیت نہیں ہے تو کوئی عمل عمل نہیں ہے یعنی جب یہ شخص نکلا اس نے ارادہ کیا نماز کا روزے کا کسی نیکی کا تو اس کی نیت کیا تھی، کیا اپنے رب کی یاد میں تھا یا غافل تھا یا کس کیفیت میں تھا یا لوگوں کی طرف متوجہ تھا کہ اگر یہ کام کروں تو لوگ اچھا سمجھیں گے اور مجھے شاباش دیں گے یا کچھ بھی نہیں یا یہ تھا کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو اگر متوجہ الی اللہ تھا تو سمجھو نیت درست ہو گئی یہاں پر جو نبی اکرم ﷺ نے ہماری اصلاح فرمائی وہ یہ کہ سب سے پہلے اپنے قلب کی اصلاح کے لیے سوچنا، جیسے مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر جانچنا اور تشخیص کرنا کہ میرا دل ہے بھی کہ نہیں۔ جس دل کی میں بات کر رہا ہوں وہ صرف اس گوشت کے لوتھڑے کی بات نہیں ہے بلکہ اس قلب کا بھی ایک قلب ہے اس کو لطیفہ قلب کہتے ہیں وہ لطیفہ روحانی جوہر نورانی جس کے ذریعے بندے اور رب کا رابطہ قائم ہوتا ہے عالم امر کو وہ پہلا لطیفہ، لطیفہ قلب جو اس دل کا دل ہے اور آج میڈیکل سائنس اس تک بھی پہنچ گئی ہے انہوں نے دریافت کر لیا ہے کہ دل کا بھی ایک دل ہے، اس کو کہتے ہیں ہارٹ کا مینڈ ہے، دل کے اندر بھی ایک دماغ ہے اس تک پہنچنا اس کی حال و کیفیات بیان ہوتی ہیں۔ جسے مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم:1 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم:1907

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فرماتے ہیں کہ اس دل کو زندہ کرا اور اس کو اللہ کے ذکر کے اندر اتنا محو و مشغول کر کہ اللہ رہ جائے اور سوائے اللہ کے کچھ باقی نہ رہے، کہ اس دل میں صرف اللہ کی یاد رہ جائے جس طرح فرمایا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:37)

کہ تجارت، کاروبار، بزنس دنیا کے سارے معاملات ہو رہے ہوں لیکن بندہ رب کی یاد کے لیے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہو وہ ذکر قلبی ہے اس قلب کی حالت جو مطلوب و مقصود ہے وہ قلب سلیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی بارگاہ سے دعا مانگی۔

اللھم انی اسئلك قلبا سلیما

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم مانگتا ہوں۔

صحت مند دل تندرست دل جس دل کے ذریعے بندے کا اللہ سے رابطہ ہو سکے جو ادھر سے میرا حصہ آئے وہ ضائع نہ جائے رمضان میں ہر روز اتر رہا ہے دن میں بھی رات میں بھی رسیونگ نہیں ہے چونکہ سسٹم dead ہے سم نہیں ہے موبائل تو پڑا ہوا ہے لیکن اس میں سم ہی نہیں ہے بیٹری چارج ہی نہیں ہوئی ویسے کا ویسا ڈبہ پیک پڑا ہے۔ جب عزرائیل آئیں گئے دیکھیں گے جیسا آیا تھا ویسا ہی جا رہا ہے اندر کا سسٹم ایکٹویٹ ہی نہیں ہوا ٪99 لوگ ایسے ہی جاتے ہیں اندر کا سسٹم کھلا ہی نہیں ہے جیسا آیا تھا ویسے مر کے آگے چلا گیا ہے ساری زندگی اپنی خواہشوں، لذتوں حیوانی زندگی گزار کے چلا گیا انسانی زندگی نصیب ہی نہیں ہوئی، انسانی تجربے سے وہ گزرا ہی نہیں پھر اس کے بعد ایمانی تجربہ پھر روحانی تجربہ آتا ہے پھر عرفانی تجربہ آتا ہے وہ مدارج ہیں "الاسلام والایمان والاحسان" حدیث جبرائیل میں، مسلم پھر مومن

پھر محسن، ریکارڈ میں یہ سب چیزیں موجود ہیں لیکن ان کی پریکٹس نہیں ہے اس کا تجربہ نہیں ہے اور جب تک اس قال کو اپنا حال نہیں بناتے اس وقت تک یہ باتیں ہیں تقریریں ہیں لفظ، حرف ہیں اور جو اس میں گزرتا ہے اس پر حقیقت حال کھلتی ہے دراصل معاملہ کیا ہے اور ہم کیا کرتے ہیں۔ اس قلب کی دو چیزیں بتائیں ہیں ایک اصلاح اور ایک فساد ہے یا تو صالح حالت میں ہوگا "اذا صلح الجسد کله" درست حالت میں ہوگا جیسی مطلوب ہے تو وہ صالح ہے اور اگر خراب حالت میں ہے "اذا فسدت فسد الجسد کله" اگر حالت فساد میں ہے۔

ایک مثال حضرت ابن مکی علیہ الرحمہ نے اس کے حدیث تحت لکھی ہے ایک معارف سے ہے جو لفظوں میں نہیں آتی میں کوشش کر کے اس کو لفظ دے رہا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اگر زمین وآسمان میں دو اللہ ہوتے کفار ومشرکین کو انسانوں، مسلمانوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے "لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" (المؤمنون: 71) تو زمیں وآسمان کا نظام پارہ پارہ ہو جاتا کیونکہ اس لیے کہ ایک خدا کہتا کہ میرا دل چاہ رہا کہ آج مشرق کی بجائے سورج مغرب سے نکال دوں تو دوسرا کہتا نہیں مشرق سے نکالنا ہے تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ایک کی مرضی ہوتی بارش برسے ایک کی مرضی ہو بارش نہ برسے نظام تہ بالا ہو جاتا اس لیے اللہ صرف ایک ہے۔ معبود صرف ایک، محبوب صرف ایک مطلوب صرف ایک اور صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ مقصود صرف ایک، کس لیے کیونکہ موجود صرف ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾
(الرحمن: 27)

ترجمہ: ہر کوئی جو بھی زمین پر رہنے والا ہے وہ فنا ہو جانے والا ہے، اور آپ کے

رب ہی کی ذات باقی رہنے والی ہے جو صاحب عظمت و جلال اور صاحب انعام و اکرام ہے۔

اگر کوئی واجب الوجود ہے تو وہ صرف ایک ہے وہ کہتے ہیں کہ اتنی بڑی کائنات میں دو خدا ہوتے تو یہ تباہ برباد ہو جاتی اگر یہ چھوٹی سے دلڑی میں دو آ گئے اس کا یہ کیا حشر کریں گئے۔

اس لیے محبوب آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے الہ کے ساتھ ایک اور الہ رکھا ہوا ہے جس کا نام خواہش نفس ہے مسجد میں آ کر تو مجھے سجدہ کرتا ہے اور سلام پھیرنے کے بعد اس کی پوجا میں لگ جاتا ہے اب دو الہ تو ہو گئے اس میں فساد ہو گا یا اصلاح ہو گئی اس وجود میں جس میں توحید نہیں ہے شرک کے جراثیم آ گئے شراکت آ گئی، غیر آ گیا، ماسوا اللہ آ گیا۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ جنہوں نے یہ تجربہ کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو
نہ کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو

دل کو جن لوگوں نے جگایا، پھر اللہ کے ذکر کا نور ایمان فراست معرفت یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو قلب کی صحت کی علامت ہیں قلب کو طاقتور کرنے والی چیزیں ہیں۔ مومن کی نشانی یہ ہے۔

اتقوا فراست المؤمن فانه ینظر بنور الله[1]

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

بخاری شریف کے موجود ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اقدس پر بھی ایک آنکھ تھی۔ یہ بات علامہ اقبال کو سمجھ آئی اور اس نے کہا:

1۔ سنن ترمذی: ابواب التفسیر سورہ حجر 145/2

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

آنکھوں کی بینائی تو مانگتا رہتا ہے اندھے کبھی خدا سے دل بینا بھی مانگ، کیونکہ اللہ نے دل کو بھی آنکھ دی ہے اور دل بھی دیکھتا ہے اور دل کیا کیا دیکھ سکتا ہے جہاں سے یہ آنکھ بند ہوتی ہے وہاں دل کی آنکھ شروع ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا فرمان:

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ درس دے رہے تھے اور درس میں انہوں نے یہ حدیث پڑھی کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے وہاں ایک عیسائی مسلمانوں کا حلیہ بنا کے آزمائش کے لیے بیٹھا تھا وہ کھڑا ہو گیا کہ کوئی اس دور میں بھی مومن ہے جو بات آپ کر رہے ہیں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہو، جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس دور میں بھی ہیں ضروری نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کریں، اس نے کہا میں ان سے ملنا چاہتا ہوں آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا یہ جو تو نے کپڑوں کے نیچے زنار پہنا ہوا ہے یہ اتار تجھے اس سے ملا دیں گے وہی کھڑے کھڑے زنار توڑا اور کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

تو فراست مومن جو آج کے دور میں اس کی خوشبو نہیں آتی کیونکہ اس کے لیے قلب کا زندہ ہونا، ایکٹو ہونا، ذاکر ہونا، اور قلب کا عارف ہونا ضروری ہے، نمازی ملیں گے، حاجی ملیں گے، قاری ملیں گے، مفتی ملیں گے، علامہ ملیں گے لیکن جو اصل مقصود ہے وہ دور نہیں کیونکہ وہ اس طرف گئے ہی نہیں ہیں۔

قرآن پاک کی سورہ شعراء کی آیہ 89.88, میں ہے اگر قلب صالح ہے تو سارا وجود صالح ہے اگر قلب فاسد ہے تو سارا وجود فاسد ہے اور اگر قلب سلیم ہے تو یہ دنیا

بھی حسنہ ہے اور وہ دنیا بھی حسنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوٹوک بات کی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ (شعراء:88)

ترجمہ: جس دن نہ کوئی مال اور اولاد نفع دے گی۔

یہاں پر مال و اولاد کام آرہے ہیں اس روز جزا کا تعارف یہ ہے کہ کوئی قارون کا خزانہ کام نہیں دے گا کوئی بینک بیلنس، چیک بک کسی کام کی نہیں ہے، کوئی کریڈٹ کارڈ کسی کام کا نہیں "اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ (الشعراء:89) مگر وہ شخص جو اس حال میں حاضر ہوا کہ اس کے سینے میں دھڑکنے والا دل اللہ اللہ کررہا تھا جو قلب سلیم ہی لے کے آیا جو شراکت سے پاک تھا، غیریت سے پاک تھا، اللہ کی محبت تھی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ:165) وہ قلب سلیم جو اتباع شہوات سے پاک تھا جس میں تقوی ہوگا للّٰہیت ہوگی وہی قلب سلیم ہوگا، عبادت صرف جبری اور گھسیٹ گھساٹ کے نہیں کرے گا۔ جیسے فرمایا کہ مسجد میں تو ایسے جیسے مچھلی پانی میں ہے اور اگر مسجد سے باہر ہو تو ایسے جیسے کسی نے مچھلی کو پانی سے باہر نکال دیا ہے یعنی ہر وقت اپنے رب کی یاد میں لگا رہے، ہر حرام سے بچے اور ہر حلال کو اختیار کرے اس لیے جو دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سکھائیں تعلیم دیں سب سے بنیادی اور اہم دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی کثرت سے مانگتے تھے، بلکہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب قسم بھی کھانی ہوتی تو فرماتے۔

لا ومقلب القلوب [1]

ترجمہ: دلوں کو پھیرنے والے کی قسم ہے۔

قلب کا مطلب یہ ہے کہ پھیرتا رہتا ہے ایک حال پر قائم نہیں رہتا اس کو قلب

1- ترمذی: ابواب القدر والنذر، باب کان یمین النبی: 281/1

اسی لیے کہتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے، پھر نبی پاک ﷺ نے دعا یہ سکھائی کہ "یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا فی طاعتك" "یا مقلب القلوب ثبت قلبی فی طاعتك" اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنی بندگی پر ثابت رکھ۔ دوسرے الفاظ میں "یا مصرف القلوب صرف قلبی علی دینك" اے دلوں کو پھیرنے میرا دل جب پھرے تو تیرے دین کی طرف پھرے۔ اور یہ دعا بڑی ہی محبوب ہے "اللهم انی اسئلك قلبا سلیما" اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم مانگتا ہوں۔ "اللهم طهر قلبی من النفاق" اے اللہ میرے دل کو منافقت سے پاک کردے۔ یہ بھی ایک بیماری ہے جو دل سے لگتی ہے پھر آقا ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے جو شقی ہے یعنی جو سختی والا دل ہے۔ اس سے پناہ مانگی ہے۔

"اللهم انی اعوذبك من علم لا ینفع"

اے اللہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

"و من قلب لا یخشع" (سنن ابن ماجہ: کتاب الدعا، باب دعا الرسول ﷺ 1261/2)

اور اس قلب سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔ جس میں گڑگڑاہٹ نہ ہو، جس میں تیرا خوف نہ ہو نرمی نہ ہو سخت دل ہو اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبه" بندے کا ایمان اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک اس کا دل قائم نہ ہو۔ اس وقت تک ایمان بھی نہیں ٹھہرتا جب تک دل نہ ٹھہرے ہم سارے اوپر کے کام کرتے رہتے ہیں اور بنیاد کو چھوڑے رکھتے ہیں اوپر کی عمارت، ڈیکوریشن نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں لیکن جو سارے دین کی ایمان کی اعمال کی بنیاد ہے اس کو شیطان کے لیے چھوڑی رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایک روحانی پوائنٹ ہے جو اللہ نے انسانی وجود کے اندر بنایا ہے اور اگر

اس کو اصل فنکشن کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا تو شیطان اس پر قبضہ کرلے گا۔

شیطان کا دل پر حملہ کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان الشیطن جاسم علی قلب بن آدم" شیطان انسانی قلب کے ساتھ آ کے چمٹ جاتا ہے۔ پورا کنڑول کر لیتا ہے "واذ ذکر خنس" اور جب وہ ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ "واذا غفل وسوس" اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو شیطان پھر حملہ کرتا ہے۔ یہ جو شکوک وشبہات ہیں، یہ جو جہالت ہے، یہ جو گناہ ہیں یہ سب دل کی بیماریاں ہیں، تکبر، حسد، کینہ، بغض، جھوٹ، شہوات نفسانی، فحاشی یہ سب قلبی بیماریاں ہیں ایک بھی لگ جائے تو بڑی خطرناک ہے چہ جائکہ کئی لگی ہوں۔

اس کی حدیث پاک میں ایسی مثال دے دی جو بڑی جامع ہے، جامع ترمذی میں موجود ہے کہ جب ایک شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک دھبہ لگ جاتا ہے پھر اگر توبہ کرلے تو وہ مٹ جاتا ہے پھر وہ دھو لے توبہ کے پانی سے تو وہ صاف ہو جاتا ہے، پھر اگر اسی میں مبتلا رہے، گناہ کرتا رہے تو اس کا دل ایک سیاہ غلاف میں لپٹ جاتا ہے، اس کے بعد اس پر کوئی بھلائی کی، نیکی کی بات اثر نہیں کرتی، تو صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے پہلے کوشش کرنی چاہئے کہ یہ قلب سلیم بن جائے اس کے بعد بہت مشکل ہو جاتا ہے جس کے چالیس سال میں گناہ کم اور نیکیاں زیادہ ہوں وہ بہت خوش قسمت انسان ہے اور جس کے گناہ زیادہ اور نیکیاں کم ہوں یا پھر برائے نام ہی ہوں تو پھر شیطان اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہتا ہے کہ تو اب میرا ہی ہے تو اب کہیں نہیں جاتا اس لیے جو قلب کی حالت ہے اس کی طرف بہت بڑی توجہ کی ضرورت ہے، استقامت قلبی کی نشانی کیا ہے ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اپنی داڑھی سے کھیل بھی رہا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ "لو قلبہ

خشعت لخشعت جوارحۃ " فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ مین کنٹرول روم اور ہیڈ کوارٹر وہیں تو گڑبڑ ہے خرابی ہے وہاں کچھ ہے ہی نہیں تو باقی جو مرضی ہوتا رہے تو مین مرکز کی اصلاح کمزور ہے اس کو درست اور مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ استقامت قلبی کیا چیز ہے؟ ہر محبت پر اللہ کی محبت غالب ہو۔

حدیث پاک میں موجود ہے۔ "من اعطیٰ للہ و منع للہ و احب للہ وابغض للہ فقد استکمل الایمان"

جس نے کسی کو جو دیا اللہ کی خاطر دیا اور جو نہ دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ وہ بھی اللہ کی خاطر نہ دیا اور جس سے محبت کی تو اللہ کے لیے اور جس سے دشمنی و بغض رکھا تو اللہ کے لیے رکھا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

یہ وہ لوگ ہیں ان کے بارے میں قرآن پاک فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا (حم سجدہ:30)

ترجمہ: یہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے۔

اللہ کو رب مانا پھر اس پر ڈٹ گئے ڈنڈی نہیں ماری پھر اگر کوئی داڑھی مونڈ مسجد میں آیا تو میاں شیر محمد ربانی علیہ الرحمہ نے اس کو اپنی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دی، فرمایا بیٹا تو ناراض ہوتا ہے تو ہو میں اللہ کو ناراض نہیں کر سکتا۔

یہ ایمان ہے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

اللہ کی خاطر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی، اب بیمار تو نہیں چاہتا کہ کوئی اسے سوئی چبھوئے لیکن ڈاکٹر اس کا خیر خواہ ہوتا ہے اور یہ مانتا بھی ہے اور پیسے دے کر کہتا ہے کہ سوئی چبھو، اب وہ ڈاکٹر منبر و محراب میں نہیں رہے جو سوئی چبھوئیں۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ جب لوگوں سے خطاب کرتے تھے تو کہتے تھے "یا موت القلوب" اے مردہ دلوں، مرے ہوئے دلوں والوں، اے غافلوں، اے دنیادارو، اے اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں، اکثر لوگوں کو جھنجھوڑنا اور شر سے لوگوں کو خیر کی طرف لے آنا، علماء کی مبلغین کی ذمہ داری ہے، جو اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

اس قلب کی جو بیماریاں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا"، (النساء:36) ترجمہ: کسی اور کو شریک نہ کرو۔ مثلاً پیسے کو، مال کو، اولاد کو، دنیاوی مفادات کو، اپنی خواہش نفس کو اپنی ذاتی مرضی کو اللہ کی مرضی کے مقابلے میں کھڑا کر دیا تو یہ شرک ہے اور اللہ کی مرضی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ایک ہے "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" ترجمہ: جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

بندہ جب شیشہ دیکھتا ہے تو شیطان کہتا ہے سیفٹی پھیر کے بلیڈ پھیر کے بڑا چہرہ چمکایا ہوا بہت اچھا لگ رہا ہے، شیطان اس کو یعنی نفس امارہ اس کو اندر سے شاباش ہے اب اس کی خواہش اور نفس کی مرضی ہے کہ وہ اچھا لگ رہا ہے۔ اب اس کی پیدا کرنیوالی ہستی اور جس کا کلمہ پڑھنے والا ہے انہوں نے کیا فرمایا ہے۔

"واعفوا اللحیٰ خالفوا الیھود والنصاری" فرمایا میرے امتیو! اپنے چہروں پر میری سنت کو سجانا میری مخالفت نہ کرنا بلکہ یہود و نصاری کی مخالفت کرنا، اب نفس ٹکرا گیا اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، ایک مثال دے رہا ہوں کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی کوئی معاملہ کوئی فعل کوئی بات ہو یا اپنی ذاتی خواہش اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آجائے تو جو قلب سلیم ہوگا وہ ہر بت توڑ دے گا اور اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہو جائے گا۔

اسی لیے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

ع تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

ارے تو نے تو دل میں ہی بت سجائے ہوئے ہیں نام عبدالرحمن ہے اور کام عبدا لدرہم والدینار ہے، پاؤنڈ کا بندہ، درہم کا بندہ، دینار کا بندہ، ریال کا بندہ، کرنسی کا بندہ۔ فرمایا: "**ھلک عبد الدرھم والدینار**" درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو جائے گا، جس نے اپنے دل میں یہ بت پالے ہوئے ہیں، خواہشات کے، درہم و دینار کے اور طرح طرح کی خواہشات کے یہ بت ہیں، شریعت نے ان کو بت کہا ہے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ٹکرا رہا ہے اس میں وہ قلب آپکا معاون ہوگا جو قلب سلیم ہوگا اور جو بگڑا ہوا ہے وہ کبھی بھی معاون نہ ہوگا وہ ہمیشہ برائی کی طرف رجوع کرے گا اسے لذت آئے گی، اس کو بھلائی اور خیر کے کام میں لذت نہیں آئے گی۔ اس کی مختلف حالتیں ہیں کبھی دل مرا ہوتا ہے کبھی ضعیف و کمزور ہوتا ہے، کبھی ہر قسم کے فہم سے عاری ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا" (الاعراف:179)

ترجمہ: ان کے دل تو ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔

ہماری شریعت میں جو عقل کا محل ہے وہ قلب ہے یہ دماغ جب تک عقل کے تابع رہے گا بشرطیکہ قلب صالح ہو تو سارے معاملات ٹھیک رہیں گے اور اگر بادشاہ وزیر کے تابع ہو جائے بادشاہ مفلوج ہے، کچھ نہیں کر سکتا تو وزیر کی مرضی جو کرتا پھرے۔ دماغ کے مختلف لیول ہوتے ہیں جس کو جو کچھ سمجھ آ رہی ہوتا وہ کرتا جا رہا ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہی تھا، تو قلب سلیم اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔

باطن کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک روزہ دیا یہ رمضان کا مہینہ دیا ہے فرمایا: "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (البقرہ:183) تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اس کو چکھیں کہ کیا چیز ہے یہ جب دل میں آتا ہے تو اس کے کیا اثرات ہیں اس کے برکات وثمرات کیا ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس دل کو کس مقصد کے لیے بنایا ہے اور ہم اس کو کن کاموں کے لیے لگایا ہوا ہے اس سے ہم وہ کام لے رہے ہیں جس کے لیے یہ بنا ہوا نہیں ہے۔

صوفیہ کرام اور ہمارے اسلاف کے جتنے اقوال یہ لکھے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں میں ایک قدم بھی جو اٹھاتا ہوں تو اس کے پیچھے بھی میرا قلب ہوتا ہے اور وہ بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ جو تو نے قدم رکھا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق صحیح رکھا ہے۔ تو یہ سارے جسمانی اعضاء ٹھیک ہو جاتے ہیں اگر پیچھے ان کا کنٹرول درست ہو جائے۔ عربی کا ایک مشہور محاورہ ہے: "الناس علی دین ملوکھم" رعایا اپنے حاکم کے دین پر ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، حاکم ہو تو لوگ خود بخود نمازی بن رہے ہوتے ہیں خود ہی تقوی اختیار کر رہے ہوتے ہیں اور ولید بن عبدالملک حاکم ہو تو لوگ پلاٹوں کی قیمتیں پوچھ رہے ہوتے ہیں بینک بیلنس اکٹھا کر رہے ہوتے ہیں یعنی اگر حاکم تھری پیس پہن کر آئے تو رعایہ بھی تھری پیس پہن رہی ہوتی ہے اور اگر حاکم واسکوٹ پہن کے آئے تو رعایہ بھی واسکوٹ پہن کے آرہی ہوتی ہے یہ اتنا اہم ہے کہ بغیر کہے لوگ اس رنگ میں رنگے جا رہے ہوتے ہیں یہی حال اس جسمانی بادشاہ کا ہے کہ اگر یہ درست ہو جائے تو سارے جسمانی اعضاء خود ہی اس کے رنگ میں رنگے جا رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلب سلیم اور شرح صدر نصیب فرمائے۔ آمین!

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر: 9

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن عبداللہ ابن زمعة قال: لما استعز برسول اللہ ﷺ و انا عندہ فی نفر من المسلمین دعاہ بلال الی الصلاة، فقال: مروا من یصلی للناس، فخرج عبداللہ بن زمعة، فاذا عمر فی الناس، وکان ابو بکر غائبا، فقلت: یا عمر، قم فصل بالناس، فتقدم فکبر، فلما سمع رسول اللہ ﷺ صوته و کان عمر رجلا مجهرا، قال: فاین ابو بکر؟ یابی اللہ ذلک والمسلمون، یابی اللہ ذلک والمسلمون، فبعث الی ابی بکر رضی اللہ عنه فجاء بعد ان صلی عمر تلک الصلاة فصلی بالناس۔[1]

1۔ ابوداود: کتاب السنہ، باب فی استخلاف ابی بکر رضی اللہ عنہ: 215/2 رقم: 4660

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بیماری کی شدت ہوئی تو میں مسلمانوں کے چند افراد کے ساتھ آپ کے پاس تھا۔ تو آپ ﷺ کو بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ کسی کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عمر لوگوں کے درمیان موجود ہیں اور ابوبکر غائب تھے تو میں نے کہا اے عمر آگے بڑھو اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ جب حضرت عمر آگے بڑھے اور تکبیر کہی تو رسول اللہ ﷺ نے جب آواز سنی کیونکہ عمر ایک بلند آواز والے آدمی تھے فرمایا: ابوبکر کہاں اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں، اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں پس ابوبکر کو بلا بھیجا وہ اس وقت تشریف لائے جبکہ وہ نماز پڑھائے چکے تھے تو پھر ابوبکر صدیق نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں ایک باب باندھا ہے اور جب محدثین اپنی کتابوں میں باب کا عنوان بناتے ہیں تو وہ باب حدیث کے مضمون سے ماخوذ ہوتا ہے اس باب کے عنوان سے محدث کا اپنا رجحان پتہ چلتا ہے اس کا عقیدہ پتہ چلتا ہے امام ابو داؤد نے کتاب السنہ کے اندر "باب فی استخلاف ابی بکر" صدیق اکبر کی خلافت کا باب اس کے تحت دو حدیث لائے ہیں اس کے اندر اس حدیث سے جو مضمون اخذ کیا یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ایام علالت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے امامت کا حکم فرمایا: مصلی رسول اللہ پر کھڑے لوگوں کی امامت کرائیں۔ اس دوران یہ کیفیت پیش آئی۔ نماز کا وقت ہو گیا نماز ادا کرنے کے لیے لوگ جمع ہو گئے، عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے اذان دے دی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی موجود

تھے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غیر موجود لہذا لوگوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حسب ضرورت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے مصلی امامت پر کھڑے ہوئے، تکبیر کہی اور تکبیر اس مصلی پر کہی کہ جس کے چند ہاتھ کے فاصلے پر حجرہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے "کان عمر رجل مجھرا" عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بلند آواز شخصیت تھے یہ آواز تو بڑی جانی پہچانی تھی رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آواز سنی تو یہ اس کی آواز نہیں جس کو ہم نے مقرر کیا ہے فرمایا: "فاین ابو بکر" حجرہ کے اندر سے آواز آئی کہ ابو بکر کہاں ہیں ساتھ یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے: "یابی اللہ ذٰلک والمسلمون" اللہ اور اس کے بندے کبھی قبول نہیں کریں گے، پھر یہی الفاظ فرمائے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف بندہ دوڑایا گیا کہ انہیں لے آئے اور وہ آ کے لوگوں کو نماز پڑھا دیں لیکن اس آنے جانے میں کافی دیر ہوگئی، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ والی نماز پڑھائی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنے تک اتنی دیر ہوگئی کہ وہ جماعت میں آ کر ملے اور وہ نماز ادا فرمائی۔

اس باب میں دوسری حدیث لائے ہیں، حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "خرج النبی ﷺ حتی اطلع راسه من حجر ته ثم قال" جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرہ مبارکہ سے پردہ ہٹا کر سر اقدس کو باہر نکالا اور فرمایا:

لا، لا، لا، لیصل للناس ابن ابی قحافة یقول ذٰلک مغضباً [1]

یہ الفاظ بڑے جلال کے انداز میں فرمائے کہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں،

1۔ ابوداود: کتاب السنہ، باب فی استخلاف ابی بکر رضی اللہ عنہ: 2/215، رقم: 4661

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کا اسم گرامی عبداللہ بن عثمان، ابن ابی قحافہ والد گرامی کی کنیت ہے، بعض کتابوں میں غلط لکھا ہے کہ ان کا نام عبدالکعبہ تھا بعد میں عبداللہ رکھا تھا۔ کوئی ایک مستند روایت نہیں ملتی کہ جس میں ہو کہ آپ کا نام پہلے عبدالکعبہ تھا اور بعد میں عبداللہ رکھا، یہ سیرت کی کتابوں میں عام ہے اور اس کو لوگ دہراتے ہیں۔ امام ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں دس، پندرہ احادیث مبارکہ لائے ہیں کہ آپ کے والد نے ہی آپ کا نام عبداللہ رکھا تھا یہ تواتر اور تسلسل سے ثابت ہے۔ اور یہ فطرت سلیمہ تھی، مکہ میں پہلے بھی عبداللہ موجود تھے یہ کوئی ایسا نام نہیں تھا کہ لوگ اس سے واقف نہ ہوں عبداللہ بن عبدالمطلب جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی ہیں۔ دوسرا جو نام تھا وہ عتیق تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرے پر وہ انوار و تجلیات رکھیں ہیں کہ کہ اس کو دیکھ کر لوگ آپ کو عتیق پکارنے لگے۔ پھر ایک موقع آیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن اسی عالم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور آپ کے چہرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر پڑی تو فرمایا: "هذا عتيق و انك عتيق الله من النار" اے صدیق تم عتیق ہو اور ایسے عتیق ہو کہ اللہ تعالی کی طرف سے آگ سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو، یہ بشارت سنائی تو یہ نام اور مشہور و معروف ہو گیا، جب معراج سے واپسی ہوئی تو راستے میں اس لیے کہ جبرائیل صرف لینے نہیں آئے تھے بلکہ چھوڑنے بھی آئے تھے جب واپس مکہ مکرمہ چھوڑنے آئے تو جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ آپ دیکھ کے آئے ہیں اس کو آپ نے مکہ والوں کو بتانا بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل یہ کون مانے گا لوگ تو میری مخالفت اور میرا مذاق

اڑانا شروع کر دیں گے۔ جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی مانے یا نہ مانے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ضرور اس کو مانے گے اس کی تصدیق کریں گے یہ وہ لقب صدیق تھا جو پہلے اللہ کی طرف سے آیا، پھر جبرائیل امین کی طرف سے آیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم شریف کے اندر تشریف لائے اور سارے کفار مکہ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ سارے جھٹلانے اور باتیں کرنے لگ گئے کہ رات کے تھوڑے سے حصے میں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابو جہل نے ایک گروپ بنایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچ گیا اور کہا اے صدیق اکبر! کیا آپ نے سنا کہ آپ کے صاحب نے کیا باتیں کی ہیں، رات کے تھوڑے حصے میں سارا سزا و جزا، ازل و ابد دیکھ کر آنا، جنت و دوزخ کے مشاہدات کر آنا یہ سارا کچھ پھر رات کے تھوڑے سے حصے میں کیا یہ ممکن ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ باتیں میرے محبوب نے فرمائیں ہیں تو پھر یہ ممکن ہے یہ ہو سکتا ہے، میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ جو انہوں نے فرمایا ہے وہ حق ہے ابھی منکر اور کافر کی زبان سے سنا ہے direct زبان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ابھی نہیں سنا۔ پھر جب بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ساری رات کی صورت حال سے آگاہ کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس سے آگے بھی کوئی باتیں ہیں تو میں ان کی بھی تصدیق کرتا ہوں تو فرمایا اے ابو بکر آج کے بعد تم صدیق ہو یہ اس واقعہ معراج کی تصدیق میں یہ لقب اور بشارت عطا ہوئی۔ قرآن پاک کی سورہ زمر میں آیا: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝۳۳ (الزمر:33) ترجمہ: وہ جو سچ لے کر آئے اور وہ جس نے سچ کی تصدیق کی یہی لوگ تقوی والے ہیں۔ یہ آیہ کریمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں اتری ہے۔ اللہ تعالی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تقوی کی گواہی دی

ہے، ساتھ یہ بھی فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات: 13)
ترجمہ: اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہیں جو تقوی والے ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تصدیق ہوتی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کا مسئلہ

جو حدیث سنن ابی داود میں آئی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کا مسئلہ ہے اس سے اکثر محدثین نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی موجودگی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مصلی پر کھڑا کرنا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کئی دن تک لوگوں کو نماز پڑھانا، جس میں تمام صحابہ کرام اقتدا کرتے تھے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، علی مرتضی رضی اللہ عنہ یہ سب ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے تھے۔ کئی دن یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرہ سے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے تو آپ بھی اس جماعت کے اندر شریک ہوئے اور اس کیفیت میں آئے کہ صحابہ کرام کی جس صف میں آ رہے ہیں اس صف کے صحابہ کرام کو پتہ چل رہا ہے دوران نماز ہی جو کیفیت طاری ہوئی، صحابہ کرام اس حالت و کیف میں ہو گئے کہ ہاتھوں پہ ہاتھ مارنے لگے، صدیق اکبر جو آگے امامت کر رہے تھے انہیں پتہ چل جائے کہ حقیقی امام آ گیا ہے جن کے نائب کے طور پر کھڑے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مصلے کے قریب پہنچے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں تو حالت نماز ہی میں مصلے سے پیچھے سرکنا شروع کر دیا نماز جاری ہے صفیں بندھی ہوئی ہیں ساتھ ساتھ صحابہ کرام اس محبت اور بے تابی کا مظاہرہ بھی کر رہے ہیں جب پیچھے سرکنا شروع کیا تو رسول اللہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز ہی خطاب فرمایا: "**مكانك ابا بكر**" ابو بکر اپنی جگہ پر کھڑا رہ، لیکن ابو بکر پیچھے سرکتے آ رہے ہیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے برابر پہنچے اور بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز کی نیت باندھی صحابہ کرام کھڑے

ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہاں فقہاء کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر امام علیل ہو، کمزور ہو یا ضعیف ہو تو وہ بیٹھا رہے اور مقتدی کھڑے رہیں نماز ہو جائے گی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہیں نماز ٹوٹی نہیں ہے نماز اسی حالت میں جاری ہے صرف امام بخاری لکھتے ہیں کیفیت یہ ہوگئی کہ صحابہ کرام صدیق اکبر کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور صدیق اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے دوران نماز ہی امام بدلہ ہے جب صحابہ کرام نے نیت باندھی تھی تو صدیق اکبر کے پیچھے باندھی تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امامت کی، دوران نماز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت میں آکر شریک ہوئے تو امامت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی، صدیق اکبر کی امامت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے رہے اور صحابہ کرام کی امامت صدیق اکبر فرماتے رہے اب امام کو جو اہلیت شریعہ اسلامیہ میں ہے وہ شخص امام بنے جو سب سے زیادہ صاحب علم ہو، یا سب سے زیادہ اچھا قرآن پڑھنے والا ہو، ان موجود میں سے سب سے زیادہ متقی ہو اگر با تفاق ان میں تمام لوگ برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرائے یہ ساری خصوصیات صدیق اکبر کے اندر موجود تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریبا دو سال عمر میں چھوٹے تھے اور اکثر صحابہ کرام میں سے سب سے بڑے تھے تو یہ علم وتقوی، بزرگی، قربت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملے میں جو مقام و مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا اس میں ایک اور چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ اے علی میں تو ہر جگہ تجھے آگے کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن میرا رب صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کو آگے کرنا چاہتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے اظہار فرما یا دیا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارا دین مین امام بنایا ہے اس کو ہم اپنی دنیا میں اپنا امام مانتے ہیں یہ علی شیر خدا کا فیصلہ ہے، کہ

جس شخص کے مقدم فی الدین ہونے پر اللہ اور اس کا رسول راضی ہے کہ وہ دین میں ہمارا امام بنے تو دنیا میں اس کو امام ماننے سے ہمیں کیا چیز مانع ہے ہمیں کیا رکاوٹ ہو گئی تو ہم اس پر راضی ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امام چنا ہے۔ دنیا کے اندر ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمارا خلیفہ بنایا گیا ہے تو ہم ان صورتوں میں ان پر راضی ہیں۔ یہ تقسیم کا فلسفہ نکلا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ بات لکھی ہے، بعد میں انہوں نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا پھر انہوں نے اس پر ایک کتاب لکھی "قرة العینین فی تفضیل الشیخین" جو دلائل شرعیہ کی روشنی میں لکھی کہ تمام صحابہ کرام اور پچھلی تمام امتوں میں اور تمام اولاد آدم میں نبی و رسل کے بعد افضل ترین شخصیت، ہستی وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اس پر اجماع ہو گیا۔ سب سے پہلے تقسیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی ہے کہ جو ظاہری خلافت ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے اور جو باطنی خلافت ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی ہے پہلے انہوں نے یہ بات اپنی سوچ و فکر کے ساتھ سمجھی اور لکھ دی پھر جب حقائق کھلے چونکہ شاہ صاحب کوئی خشک عالم نہیں تھے وہ صاحب حال صوفی بھی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈائریکٹ بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکم ہوا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی باطنی خلیفہ بھی ہیں اور ظاہری خلیفہ بھی ہیں۔

پھر وہ کہتے ہیں اس پر پوری کتاب لکھی اس میں احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام، اور اہل بیت اطہار سے ثابت کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں۔

بخاری، مسلم کی ایک حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں "من احب الناس الیک یا رسول اللہ ﷺ" یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ آپ کو محبوب کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قال: عائشة" میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "و من الرجال" مردوں میں سے کون محبوب ہے فرمایا: "ابوھا" اس کا باپ ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نرم دل ہونا

صحابہ کرام نے دیکھا کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا صورت یہ پیش آئی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چونکہ دونوں وزیر ہیں کسی بات پر تلخ کلامی ہوگئی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عمر بن خطاب کا رویہ ناگوار گزرا حالانکہ آپ نے بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی شدت کلامی فرمائی خود بعد میں اس کا اعتراف بھی کیا یہ کمال تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس حال میں آئے کہ اپنی تہبند کا ایک کونہ پکڑا ہوا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا، تو عرض کی آج عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ تلخ کلامی فرمائی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر اتنا جلال آیا کہ میں نے خود ہی دیکھ کر وکالت کرنا شروع کر دی، کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بھی اس کے ساتھ سخت کلامی کی ہے لیکن میری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنی اور اس جلال میں عمر بن خطاب کو بلالیا، جب عمر رضی اللہ عنہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ جس وقت میں نے دعوت اسلام دی تو تم میں سے ہر ایک نے مجھ جھٹلایا، میرا انکار کیا اور جس نے میری دعوت کو قبول کیا اور میری ہر بات پر لبیک کہا وہ ایک ہی شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، ہر طرح میری خدمت کرتا رہا، مالی، جسمانی، اپنے اہل عیال سے میری مدد کرتا رہا اس کے باوجود اس کے ساتھ ایسی حرکتیں ہوں گی تو تم نجات کیسے پاؤ گے تو عمر بن خطاب نے بڑی شدید معذرت کی ایک دوسرے کے ساتھ گلے ملے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی

ساتھ دیتے رہے اور یہ مانا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بھی اس کے بہت زیادتی کی تھی، کیونکہ وہ اتنے نرم تھے کہ پھر انہیں کے حق میں وکالت کرنے لگے فرماتے ہیں کہ کہیں عمر ہلاک نہ ہو جائے، اتنی کمائی ہوئی محنت کہیں ضائع نہ چلی جائے اتنے مقام پر پہنچا ہوا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال کی نظر نہ ہو جائے اس لیے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں دلائل دینا شروع کر دیئے، اس کے بعد استغفار، بخشش کرنے لگے اور ایک دوسرے کو ملے اور یہ معاملہ ختم ہوا، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا کہ اے لوگوں دنیا میں میرے ساتھ جس نے بھی کوئی نیکی وبھلائی کی اس کا میں نے بدلہ اسے چکا دیا ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے میرے اوپر احسانات اتنے ہیں کہ قیامت کے دن رب ہی اس بدلہ دے گا میں دنیا میں اس کا بدلہ نہیں دے سکا۔

علامہ اقبال نے یہاں سے ایک بات نکالی ہے۔

آں امنّ الناس بر مولائے ما

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک ایسی شخصیت ہیں کہ ان کے احسانات ان پر ہیں کہ جو خود رب کا احسان ہیں، میں جب ان چیزوں کو ملا کر دیکھتا ہوں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا (ال عمران:164)

ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میں نے جو تم پر احسان کیا ہے وہ تمہیں اپنا محبوب دے دیا ہے اور رسول دے دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سب سے بڑا احسان ہیں، وہ فرما رہے ہیں "امن الناس علی فی صحبته و ماله ابی بکر"

اپنے مال اپنی صحبت اپنی خدمات کے ذریعے مجھ پر سب سے زیادہ احسان

کرنے والا شخص وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے آقا ومولا پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آں امنّ الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما

ہمت او کشت ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

کوئی معاملہ، کوئی موقع، ایسا تاریخ اسلام میں نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوسرے کوئی ابوبکر ہوں یہ ترتیب قرآن نے دی ہے:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (التوبہ:40)

ترجمہ: صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے۔

یہ جو ثانی اثنین ہے اس کا مطلب ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگر کوئی دوسرا ہے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، یہاں تک کہ غار سے لے کر قبر تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمادیا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بازو ڈالا اور بائیں طرف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بازو میں بازو ڈالا اور مدینہ پاک کے بازار میں نکلے اور فرمایا لوگوں دیکھ لو ہم تینوں میدان محشر میں اس طرح نکلیں گے یہ گنبد خضری کے نیچے جو تین چاند آرام فرما ہیں یہ کوئی رسمی بات نہیں ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خوابوں کی تعبیر

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ صدیق اکبر تعبیر

رویا کے اتنے بڑے ماہر تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی اپنے خوابوں کی تعبیر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے، یہ مثال اس لیے دی کہ تعبیر خواب کا تعلق علوم نبوت سے ہے۔

قرآن پاک سورہ یوسف کے اندر ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یہ علم دیا گیا تھا اور یوسف وہ نبی ہیں کہ جن کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں کہ "صِدِّيقًا نَّبِيًّا"، یہ صدیقیت بھی کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ یہ منصب ہے جس طرح نبوت ایک منصب ہے رسالت ایک منصب ہے اس طرح صدیقیت بھی ایک منصب و مقام ہے صدیقیت وہ مقام ہے کہ صدیق جس باؤنڈری پر کھڑا ہے وہاں سے قدم اٹھا کر آگے رکھے تو دائرہ نبوت شروع ہو جاتا ہے اس کے آگے نبوت کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں ہے اور قرآن نے بھی یہی ترتیب بتائی ہے مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء: 69) ترجمہ: یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ کہ نبیوں کے بعد اگر کوئی مقام ہے تو وہ مقام صدیقیت ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری حجرے میں جہاں گنبد خضری ہے میں دیکھتی ہوں کہ چودھویں کا چاند میرے حجرے میں آ گیا ہے پھر ایک اور چاند میرے حجرے میں آ گیا، پھر ایک اور چاند میرے حجرے میں آ گیا، تین چاند باری باری میرے حجرے میں اترتے رہے، میں نے اپنے والد گرامی کو یہ خواب سنایا۔ فرماتی ہیں کہ جب کچھ عرصہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اس مسئلہ پر جب گفتگو ہوئی کہ آپ کی تدفین کہاں ہوگی، یہ بڑی قابل توجہ بات ہے یہ فیصلہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا صحابہ کرام بیٹھے مشاورت کر رہے ہیں کہ کیا کیا جائے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی اور آپ حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے آپ نے حدیث بیان فرمائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ کا نبی جہاں وصال فرماتا ہے وہیں اس کا مدفن ہے اس لیے آپ کا وصال حجرہ

عائشہ صدیقہ میں ہوا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین بھی وہیں ہوئی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ والد گرامی نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تیرے حجرے میں پہلا چاند آ گیا ہے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے لوگوں جب میری وفات ہو جائے تو مجھے حجرہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دینا اور اجازت طلب کرنا یہ قابل توجہ بات ہے جو صحابہ کرام کے عقائد و نظریات ہیں۔

حجرہ کے سامنے رکھ کر اجازت طلب کرنا اگر اجازت مل جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو جنت البقیع میں دفن کر دینا تو صحابہ کرام میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ جناب اجازت کس سے لینی ہے دروازہ بند ہے اور اس میں کنڈی لگی رہتی ہے یہ حجرہ اس وقت ایک گھر اور کمرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ تھا، صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں وہ صحیح کہہ رہے ہیں کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وصال کے بعد بھی اسی طرح اجازت لی جاتی ہے جس طرح ظاہری حیات میں اجازت لی جاتی ہے وہ اس بات کے قائل تھے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

جب وہاں پیش کیا گیا اور صحابہ کرام نے اجازت طلب کی تو آواز آئی کہ

"اوصل الحبیب الی الحبیب" ترجمہ: حبیب کو حبیب کو ملا دو۔

"ادخلوا الحبیب الی الحبیب" ترجمہ: دوست کو دوست کو پاس پہنچا دو۔

اس اجازت کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر نہیں بلکہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی طرف دفن کیا گیا یہی نقشہ احادیث مبارکہ کی کتب میں بھی موجود ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو مجھ پر کھل گیا کہ دوسرا چاند کونسا ہے چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ فارمولا سمجھا گئے تھے۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور پتہ چلا کہ اب بچنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے آخری وقت قریب ہے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابن عمر جاؤ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرو کہ اگر وہ اجازت دے دیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس حجرہ میں دفن کر دینا اور اگر آپ اجازت نہ دیں تو مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی ہوئی تھی وہ سمجھتی تھی کہ تیسرا چاند شاید میں ہی بن جاؤں، ایک میرے شوہر، ایک میرے والد گرامی اور تیسری میری جگہ وہاں بن سکتی تھی، میرا گھر بھی، میری جگہ بھی، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو دیکھ کر اور ان کی خدمات کو دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو اپنا وزیر فرمایا ہے فرماتی ہیں کہ میری طرف سے اجازت ہے پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وہی بات دوہرائی جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ کہ ظاہری اجازت تو مل گئی ہے اب اندر والوں سے اجازت لینی ہے جن کی خدمت میں جانا ہے ان کی اجازت بھی ہے کہ نہیں اس طرح وصیت کی کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر کے اجازت طلب کرنا جب اجازت مل جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں دفن کر دینا، اسی طرح ہوا جب اجازت طلب کی گئی اجازت ہوئی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تھوڑا سا پیچھے دفن کر دیا گیا اس طرح تدفین ہوئی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو میں سمجھ گئی کہ تیسرا چاند فاروق اعظم ہیں۔ یہ وہ تعلق ہے جس کے بارے حدیث پاک میں آتا ہے جس شخص کی جہاں قبر ہے کہتے ہیں کہ۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اللہ تعالیٰ نے جہاں سے اس کا خمیر اٹھایا ہے وہاں اس کی قبر بنی ہے۔

مجھے ایک بات ذوقا یاد آ رہی ہے کہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی علیہ الرحمہ کا خمیر بھی جامعہ نعیمیہ سے اٹھایا گیا ہے، جامعہ نعیمیہ میں ہی ان کی تدفین ہوئی۔ خمیر جہاں سے اٹھایا جائے وہی اس مٹی میں اس نے لوٹنا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی علیہ الرحمہ نے بات کو مکمل کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تدفین ایک ہی حجرے سے ایک ہی چھت کے نیچے وہ اس بات کی دلیل ہے، کہ رب نے جس مٹی سے اپنے محبوب کا خمیر اٹھایا تھا، اسی مٹی سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کا خمیر اٹھایا تھا، اس سے بڑی بات ان کی فضلیت میں ممکن نہیں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اتنا تعلق کہ یار غار بھی ہیں اور یار مزار بھی ہیں، پھر اسی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر نقشہ بنا کے دیکھایا کہ اسی طرح ہم اپنے مزاروں سے اٹھ کر میدان محشر کی طرف جائیں گے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قدرتی طور پر جیسا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، یہ اہتمام پہلے ہی تھا کہ ان کے خمیر تک ان کے خمیر سے اٹھے ہیں۔

ان کو صوفیہ کرام کی زبان میں طینت اور اصالت کہتے ہیں ایسا تعلق کہ جہاں پر اس ظاہری اکتساب ختم ہو جاتے ہیں جو آپ اپنی کوشش سے نہیں بنا سکتے۔

اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ اختار نی واختار لی اصحابا اللہ نے مجھے اپنے لیے چنا اور میرے لیے میرے صحابہ کرام کو چنا ہے۔ اسی لیے قرآن میں ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ (الفتح:29)

ترجمہ: یہ ان کی صفت توریت میں ہے، اور ان کی صفت انجیل میں۔

اسی لیے جو علماء تورات وانجیل ہیں وہ انہیں پہچانتے تھے۔ ایک سفر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ آسمان سے چودھویں کا چاند اتر کے میری گود میں آ گیا ہے میں جب وہاں ایک تورات کے عالم سے اس کی تعبیر پوچھی تو اس نے مجھے جواب دیا کہ تم حرم کے رہنے والے ہو نہیں، میں نے کہا جی ہاں، فرمایا تم کس قبیلے سے ہو کہا، میں نے کہا کہ بنو تیم قبیلے سے ہو، اس کو بعض کتابوں میں بنو تمیم لکھتے اور پڑھتے ہیں یہ غلط ہے بنو تمیم تو وہ قبیلہ ہے جو ذوالخویصرہ کا تھا، جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا قبیلہ ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قبیلہ تیم سے تھے، یہ ساری نشانیاں پوچھ کے اس راہب نے بشارت دی کہ تمہارے شہر میں خاتم النبین کا ظہور ہونے والا ہے اور تم وہ ہو جو ان پر ایمان لاؤ گے، اس کے وزیر اور خلیفہ بنو گے پہلے یہ علامت طے تھی، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اپنے گھٹنے سے کپڑا ہٹا کر دکھاؤ میں حیران ہو گیا کہ یہ کہہ رہا ہے جب کپڑا اٹھایا تو وہاں ایک نشان سا تھا جس کی طرف میں نے کبھی خیال نہیں کیا، اس نے کہا اپنے پہلو سے کپڑا اٹھاؤ، پہلو سے کپڑا اٹھایا تو وہاں بھی ایک گول برص جیسا نشان تھا۔

تورات وانجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نشانیاں

قرآن پاک میں فرمایا:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ (الفتح:29)

ترجمہ: یہ ان کی صفت توریت میں ہے، اوران کی صفت انجیل میں۔

یہ صحابہ کرام جو ہیں ان کی نشانیاں بھی تورات وانجیل میں موجود ہیں، فرمایا وہ یہ دیکھتے تھے کہ وہ نشانیاں پوری ہیں کہ نہیں جوانہوں نے پڑھ رکھی تھی وہ دیکھ کرفرمانے لگے وہ تم ہی ہو۔ اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عیسائیوں نے بیت المقدس کی فتح کا معاملہ تھا کہ چابیاں دینے کے لیے وہ بھی یہ دیکھنے کے لیے بلوایا تھا، کیونکہ انہوں نے وہ نشانیاں پڑھیں ہوئی تھی کہ جو بیت المقدس کا فاتح ہوگا، جب وہ آئے گا توغلام سوار ہوگا اوراس نے مہار پکڑی ہوگئی اوراس کے کپڑوں پرستر یا بہتر پیوند لگے ہوں گے اس کو دیکھنے کے لیے انہوں نے بلوایا تھا۔ کہ اگر امیر المومنین خود آجائیں اور بغیر جنگ کے ہی ہم چابیاں انہیں سونپ دیں گے یہ قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لائے ہیں۔ "ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ" (الفتح:29) ان کی نشانیاں جو ہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں توراۃ وانجیل میں موجود تھی تو آپ کے خواص صحابہ کرام وخلفاء راشدین ان کی بھی نشانیاں توراۃ و انجیل میں موجود تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ نے کئی مواقع پر مختلف چیزوں کا اظہار کیا، ایک خاص کیفیت جو سیرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں موجود تھی وہ یہ ہے کہ آپ نے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا بہت سارے تحفے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو، حضرت ابوفقاہا کو پیش کیا حضرت بی بی زنیرہ کو پیش کیا یہ سارے غلام تھے اوراپنے آقاؤں کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے قیمت ادا کر کے اور خرید کر بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا یہ جو انفاق فی سبیل اللہ تھا ایک دن اللہ کی راہ میں اپنا سارا سامان پیش کر کے گھر کی ایک ایک چیز پیش کر کے اور خود ایک ٹاٹ کا بوریا پہن کر اور بٹن کی جگہ کانٹوں کے تنکے لگا کر بیٹھے ہوئے

ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے کہ جبرائیل امین آئے وہ اس حال میں آئے کہ انہوں نے بھی وہی لباس پہن رکھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہن رکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل امین کو اس حلیہ میں دیکھ کر حیرت سے پوچھا اے جبرائیل میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں اس سے پہلے میں نے تجھے اس حلیہ اور وضع وقطع میں نہیں دیکھا تو جبرائیل امین نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج آپ کی مجلس میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا ہے کہ اس کی وضع قطع کو دیکھ کر صرف جبرائیل نے ہی نہیں بلکہ سارے فرشتوں نے یہ لباس پہن رکھا ہے، رب نے حکم دیا ہے کہ آج سارے ابوبکر صدیق جیسے بن جاؤ اور میں جو آیا ہوں کوئی وحی لے کر نہیں آیا بلکہ رب کا خاص سلام و پیغام لے کر آیا ہوں اور آپ کے ذریعے اس بندے تک یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ جس طرح کا آج میں نے لباس پہنا ہوا ہے اور عرض کرتے ہیں کہ رب العالمین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سلام بھیجا ہے اور ساتھ میرے صدیق سے پوچھو کہ کیا وہ اس حال میں مجھ سے راضی ہے۔ مکہ میں سب سے زیادہ امیر آدمی اور مکہ میں سب سے زیادہ satetas رکھنے والا، عالی نسب اور عالی حسب خوش وضع اور خوش لباس اور بزنس مین اور بہت بڑا تاجر وہ آج اس حال میں بیٹھا ہوا ہے کہ تن پہ جو معمول کا لباس ہے وہ بھی نہیں رہا وہ راہ خدا میں دے دیا ہے اور ٹاٹ پہن کے بیٹھا ہے اور بٹنوں کی جگہ پر کانٹے ٹانکے ہوئے ہیں رب کو اس کی یہ ادا اتنی بھائی ہے کہ سب فرشتوں کو یہی یونیفارم پہنا دیا ہے۔ جب یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنچائے کہ اے صدیق تمہارا رب تمہیں سلام کر رہا ہے اور ساتھ تم سے یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا تم اس حال میں مجھ سے راضی ہو۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو صوفیہ کرام پر طاری ہوتی ہے

اور وجدانی کیفیت میں اٹھ کر ایک جملہ بولنے لگے "اناعن رب راضٍ، اناعن رب راضٍ، اناعن رب راضٍ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور میری مجال کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں، میں اس حال میں بھی اپنے رب سے راضی ہوں، میں اس حال میں بھی اپنے رب سے راضی ہوں، میں اس حال میں بھی اپنے رب سے راضی ہوں، اس وقت صحابہ کرام نے دیکھ لیا اور یہاں سے علامہ اقبال کو یہ شعر مل گیا:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کہ ساری دنیا رب کی رضا ڈھونڈ رہی ہے اور ایک بندہ ایسا بھی ہے کہ جس کی رب رضا پوچھ رہا ہے کہ تو مجھ سے راضی ہے کہ نہیں اس حال میں، اس وقت صحابہ کرام پر کھل گیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کہ میں جو ہمیشہ نیکی کے معاملے میں مقابلے پر رہتا تھا کہ آگے بڑھنا ہے اس وقت کھل گیا کہ اے خطاب کے بیٹے تو کبھی بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں نکل سکتا وہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں نے مقابلہ کرنیکی بجائے ان کی پیروی کرنا شروع کر دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا جملہ ہے جیسے ایک مرید اپنے پیر کی شان میں کہتا ہے "یالیتنی کنت شعر صدر ابی بکر "اے کاش میں ابوبکر صدیق کے سینے کا ایک بال ہوتا اتنی محبت ہوگئی، اتنا احترام ہو گیا کہ مقابلے کا خیال دل سے نکال دیا اور ان کی پیروی کرنا شروع کر دی اور صحابہ کرام نے ان کی پیروی کرنا شروع کر دی، گویا سارے صحابہ کرام کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک رول ماڈل بن گئے تھے، اور یہ ایک عملا کیفیت تھی صحابہ کرام دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات کرنی ہے یا کہنی

ہے، کوئی معاملہ ہے وہ دیکھتے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیا کر رہے ہیں۔

جامع ترمذی میں ہے کہ صحابہ کرام جب مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھتے تھے، کسی کی مجال نہیں کہ وہ ڈائریکٹ دیکھ لیں، سارے نگاہیں جھکا کر بیٹھتے تھے اور صرف ہستیاں ایسی تھیں جو نگاہ اٹھا کر دیکھتی تھیں وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے یہ نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی طرف دیکھتے اور مسکراتے اور یہ بھی مسکراتے تھے، گویا کہ سب صحابہ کرام کی یہ دونوں نمائندگی کر رہے ہوتے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احسانات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت اور شکرانہ میری امت پر واجب ہے یہ تو ویسے بھی انڈرسٹڈ ہے کہ جس کے احسانات ہمارے آقا پر ہوں تو ہم تو ویسے ہی دب گئے، پوری امت ان کے احسانات کی مقروض ہے وہ قیامت تک آنے والا ہر امتی ان کے احسانات کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے، اس لیے اپنے محسن کو یاد کرنا اور یاد رکھنا، ان کے احسانات کا اعتراف کرنا یہ عین سنت بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** [1] جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ رب کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب ہمارے آقا اس کا بدلہ نہیں دے سکے تو ہم کیسے دیں گے۔ صرف کم از کم ان کے احسانات کو یاد کر لیں، ان کے احسانات کا اعتراف کر لیں اس لیے فرمایا کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ رب کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا، شکر کا پہلا فلسفہ یہ ہے کہ جو تمہارا محسن ہے، تمہارا باب فیض ہے پہلے اس کا شکریہ ادا کرو تب رب اس شکریے کو مانتا ہے۔ یعنی پہلے بندے کو مانو کہ جس کو اللہ نے ذریعہ وسبب بنایا ہے تب رب شکر

1۔ ترمذی: ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک: 459/2 رقم: 1815

مانے گا ورنہ تم رب کی بارگاہ میں ناشکرے ہی رہو گے، یہی وجہ ہے کہ جو ہم ان کی یاد کر کے ان کے فیض سے برکات حاصل کرتے ہیں۔

اس لیے شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نام نیک رفتگان ضائع مکن

تابماند نام تو در روزگار

جو تیرے اچھے اور نیک بندے ہیں انہیں یاد رکھ، پھر تیرے جانے کے بعد لوگ تجھے یاد رکھیں گے۔

آخر میں خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کچھ ذکر ہو جائے، ان کا نام بھی لے لیں تو وہ ہر لحاظ سے بہت بڑی بات ہے، یہ ایک ناقابل بیان ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تصویر بنایا ہو، خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل تصویر تھی۔عورت ہونے کے باوجود قد و قامت، چال ڈھال، چہرہ مہرہ، وضع قطع، لہجہ، گفتگو، سیرت و صورت سب کچھ سانچہ رسالت میں ڈھلا ہوا تھا، یہ اس تعلق کی انتہا ہے، یہ کتابوں میں مذکور ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات صرف وصال رسول تھا، کوئی دوسری وجہ نہ تھی، کوئی کسی طرح شہید ہوا، کوئی کسی طرح شہید اہوا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فراق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات صرف فراق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، کام لینا تھا اس لیے دو ڈھائی سال خلافت مل گئی، لیکن خاتون جنت کا یہ حال ہے کہ صرف چھ ماہ نہیں نکالے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرما دیا تھا کہ سب سے پہلے تم نے ہی مجھے ملنا ہے، اتنا تعلق کی حد تھی کہ وہ ناقابل برداشت تھا، حالانکہ اس وقت سیدہ خاتون جنت رضی

اللہ عنہا کی عمر مبارکہ کوئی چوبیس یا پچیس سال تھی، لیکن چھ ماہ کا فراق بھی نا قابل برداشت تھا، جب خاتون جنت کا وصال ہوا تو خلیفہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے جب وفات کی اطلاع علی رضی اللہ عنہ کو ملی وہ پہنچے اور بہت روئے، معاملہ یہ ہوا کہ جنازہ کون پڑھائے گا، علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ خلیفہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہیں لہذا جنازہ جناب سیدنا صدیق اکبر ہی پڑھائیں گے، لہذا خاتون جنت کا جنازہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھایا۔ لیکن بعض لوگ بڑے پراپیگنڈے کرتے ہیں۔ خاتون جنت وہ ہستی ہیں کہ روحانی طور پر اس پر تمام صوفیہ کرام کا اجماع ہے کہ صرف ایک عورت ہونے کی وجہ سے اور کچھ آداب کی وجہ سے اتنا چرچا نہیں ہے ورنہ صوفیہ کرام کے مشاہدات سے یہ ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو روحانی منصب قطبیت ہے۔

سلطان العارفین حضرت باہو علیہ الرحمہ کا فرمان:

سلطان العارفین حضرت باہو علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو منصب سلطان الفقراء ہے ان کا روحانی مشاہدہ بھی ہے کہ وہ خاتون جنت کو حاصل ہے اور سارے صحابہ کرام کو یہ بات معلوم تھی اس لیے جب بھی جو بھی کوئی خصوصی گزارش کرنی ہوتی، چونکہ ڈائریکٹ تو بات کرنے کی جرات نہیں تھی، کیونکہ کئی کئی مہینے ایک بات دل میں ہوتی کہ کب اور کس وقت کوئی موقع محل میسر آئے اور وہ عرض کریں۔ لیکن جب کوئی خاص اور ضروری بات کرنی ہوتی تو سارے صحابہ کرام خاتون جنت کو وسیلہ بناتے تھے۔ سب صحابہ کرام کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ جو درخواست اس ذریعہ سے جائے گی وہ کبھی رد نہیں ہوگی، اس لیے اس روایت کو صوفیہ کرام نے لیا ہے اور یہ دستور بن گیا کہ جو بھی بات باطنی طور پر خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے وسیلے سے جائے گی وہ ہمیشہ قبول ہوگئی۔ یہ بات احمد پور شرقیہ کے گاؤں کی

کچی مسجد کا خطیب منبر پر بیان کر رہا تھا کہ لوگوں کے مجمع میں اس زمانے کا ایک قدرت اللہ شہاب ڈپٹی کمشنر تھے، وہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کیا کہ رہیں ہیں کہ تم اگر کوئی درخواست پیش کرنا چاہو تو خاتون جنت کا وسیلہ پیش کیا کرو تو وہ کبھی رد نہیں ہو گئی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہیں بیٹھے ایک درخواست تیار کی وہ درخواست یہ تھی کہ اگر کسی سلسلہ اویسہ نام کی چیز کا وجود دنیا میں ہے تو مجھے اس کا فیض پہنچے اور یہ درخواست میں خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے وسیلہ سے پیش کر رہا ہوں، بس بات کر کے بھول گئے، کہتے ہیں دو یا تین ماہ بعد مجھے میری بھابی کا فون آیا وہ کہتی ہیں کہ آپ نے کوئی درخواست دی ہوئی ہے، دیکھیے خاتون کے ذریعے، جی کون سی درخواست، جناب سلسلہ اویسہ کے نام کی، کہتے ہیں کہ میں اچھل گیا اور لرز گیا کہ یہ کیا بات کر رہی ہے یہ تو کسی کو بھی خبر نہیں ہے وہ کہتی کہ ایک دن خود خاتون جنت میرے خواب میں تشریف لائیں ہیں اور کہا ہے کہ تیرے فلاں عزیز نے درخواست دی ہوئی ہے اس کو اتنا بتا دینا کہ تیری درخواست قبول ہے اور آگے کام چل رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں الرٹ ہو گیا پھر انہوں نے پوری تفصیل اپنے شہاب نامے میں لکھی ہے کہ کس طرح وہ کام شروع ہوا اور کس طرح سلسلہ اویسہ کا فیض مجھ تک پہنچا، یہ وہ ہستی ہے کہ جن کا ظاہر و باطن میں اتنا مقام ہے کہ جب بڑے بڑے غوث اور قطب کسی بڑی مشکل میں پھنس جائیں تو پھر اس بارگاہ میں رسائی حاصل کرتے ہیں اور درخواستیں پیش کرتے ہیں اور اللہ کرم نوازی فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس حاضری کو قبول فرمائے اور بارگاہ صدیقیت میں بھی اور بارگاہ خاتون جنت میں بھی قبول فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر:10

تین چیزیں جن سے مجھے محبت ہے

تین چیزیں جن سے مجھے محبت ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

حدثنی الشیخ الامام ابو عبدالرحمن النسائی قال اخبرنا الحسین بن عیسیٰ القوسی قال حدثنا عفان بن مسلم قال حدثنا سلام ابو المنذر عن ثابت عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ وَ الطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ۔[1]

ترجمہ: شیخ امام ابوعبدالرحمن النسائی فرماتے ہیں: کہ حسین بن عیسیٰ القوسی نے ہمیں خبر دی کہ عفان بن مسلم نے فرمایا اور ان سے سلام ابوالمنذر نے اور ان سے ثابت نے اور ان سے انس نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ

۱۔ سنن نسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء: 575/2

مجھ میں تین چیزوں کی محبت ڈالی گئی۔خواتین (ازواج مطہرات)، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔''

مذکورہ بالا حدیث اپنے موضوع اور مضمون کے اعتبار سے نہایت منفرد اور جمالیات سے بھرپور ہے۔تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو 2 بار بیان فرمایا ہے۔اس کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں تین سے زائد بار بیان کیا ہے اور سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے اور بھی بہت جلیل القدر محدثین نے بیان کیا ہے۔امام طبرانی نے امام بغوی نے بھی بیان کیا لیکن سننِ نسائی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جو امام بخاری اور امام نسائی کے بھی استاد ہیں، ان کے بیان کے بعد کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں رہتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو تین چیزیں میرے لئے محبوب کی ہیں، سب سے پہلے میری ازواج مطہرات ہیں۔

"حُبّب" کی اصل بنیاد اور معنی ہے''بیج'' یعنی جو چیز بودی جائے اور وہ جڑ پکڑ لے۔گویا یہ محبتیں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قلب مبارک میں بودی گئیں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جیسا بیج ہوگا جیسی زمین ہوگی اور جیسا بونے والا ہوگا فصل کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوگا۔گویا کہ یہ سب چیزیں اچھے پھل کیلئے لازم ہیں، اگر بیج سڑ گیا ہوگا تو فصل نہ ہوگی اگر زمین سیم زدہ ہوگی تو بھی ایسا ہی ہوگا، اگر بیج بھی عمدہ ہو اور زمین بھی زرخیز لیکن بونے والا اناڑی ہو تو ایسی صورت میں بھی سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔

اس مثال کو آسانی سے سمجھنے کیلئے سلطان باہو کا ایک مصرعہ سنیں۔

سلطان العارفین نے فرمایا:

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ھو

یہ زمین قلب کی ہے بیج توحید اور محبت الٰہیہ کا ہے اور بونے والا مرشد کامل ہے۔

اس سے پہلے شاید کبھی اس طرح سمجھ میں نہ آیا ہو، غور کیجئے کہ یہ محبت کا بیج حضور کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مبارکہ کا جو جمالیاتی پہلو ہے وہ اس حدیث سے ابھر کے سامنے آتا ہے کہ جو فرد مبلغ ہو پیغمبر ہو جس نے مسند ارشاد پہ فائز ہونا ہو، اس کی طبیعت کیسی ہونی چاہئے۔ اس کے طبی میلانات ورجحانات غیر فطری نہیں فطری ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ اس حدیث کے طفیل ہمیں توفیق دے کہ ہم سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے ان پہلوؤں کو سمجھ سکیں کیونکہ ان چیزوں کو پا کر ہی انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار بن سکتا ہے اور اس دور جہالت وظلمات میں اس پیغام محبت کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حضور کی ازواج مطہرات کی تعداد زیادہ ہونے میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں، اس سے حضور کی خلوت کے معمولات بھی لوگوں کیلئے نمونہ بن سکے اور زمانہ جاہلیت میں چونکہ کثرت ازدواج ایک عام معمول تھا اور لوگ ایک دم سے اس سے ٹل نہ سکتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک حد مقرر فرما دی، پھر دیکھئے کہ پچاس فیصد دین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سکھایا گیا اور خواتین کے جتنے معاشی و معاشرتی حقوق و فرائض ہیں ان کی تشریح وہ ہی فرماتی ہیں ورنہ امت دین کے ایک بہت بڑے حصے سے محروم رہ جاتی......

اسی طرح طہارت اور غسل کے مسائل بھی انہی سے پتہ چلے۔

حیاء بھی انبیاء کی سنت ہے تو صحابہ کرام کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم ایک پاکباز باحیاء باکرہ دوشیزہ سے بھی زیادہ حیادار تھے تو جس شخص کی طبیعت میں اس قدر حیا ہو ان کیلئے یہ اہتمام کیا گیا کہ خواتین صحابیات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے دین سیکھ لیتی تھیں۔ پھر حضور کا اپنی ازواج سے طرز معاشرت بھی ایک نمونہ ہے، پھر فرمایا "خِیارُکُم خیارُ لاھله" ترجمہ: تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل وعیال سے اچھا سلوک کرے۔ امام شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے کہ پوری کائنات میں حضور جیسا اکمل واعلیٰ مزاج دنیا میں کسی کا نہیں آیا اور جو شدید محبت اللہ تعالیٰ سے تھی اس کی بھی انتہا نہیں اور حرم میں نو بیویاں ہیں، ان سے بھی محبت شدید ہے اور کبھی ساری رات ایک آیت کی تکرار میں گزر جاتی ہے۔ یہ اعتدال صرف حضور لا سکتے تھے کہ حقوق اللہ بھی پورے ہوں اور حقوق العباد سے بھی صرف نظر نہ ہو۔ آپ کی عظمت وپاکیزگی کی سب سے بڑی گواہ آپ کی ازواج ہیں۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور ہمارے درمیان بیٹھے بے حد گھل مل کر گفتگو فرما رہے ہوتے لیکن جب اذان ہوتی تو ہمارے درمیان سے ایسے اٹھ جاتے جیسے ہمیں جانتے ہی نہ ہوں۔

دوسری چیز آپ کی محبت کی فرمایا "الطیب"، یعنی "خوشبو" حالانکہ حضور کی اپنی ذاتی خوشبو اس قدر تھی کہ صحابہ کرام آپ کو تلاش کرنے نکلتے تو کسی سے پوچھتے نہ تھے بلکہ خوشبو کے تعاقب میں آپ کو تلاش کر لیتے۔

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشکِ تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہگزر کی ہے

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں)

اس کے باوجود فرمایا کہ "خوشبو" کی محبت فطری طور پر میرے دل میں ڈالی گئی ہے، پھر فرمایا گیا ہے کہ

اربعٌ من سنن المرسلین التعطّر، الحیاء، والنکاح، والسواك

ترجمہ: چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں۔ خوشبو لگانا، حیاء رکھنا، نکاح کرنا اور مسواک کرنا، ان سب خصائص کی خوبیاں بے شمار ہیں لیکن ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان سے دوسروں کو زیادہ فائدہ ملتا ہے، اگر آپ خوشبو لگاتے ہیں تو آپ کے ساتھ والے کو زیادہ فرحت ملتی ہے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو پسینہ کثرت سے آتا تھا اور اس قدر معطر ہوتا تھا کہ خوشبو کی جگہ استعمال ہوسکتا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ ہمارے گھر دوپہر میں قیلولہ فرما رہے تھے اور پیشانی مبارک پر پسینہ چمک رہا تھا تو میری والدہ ام سلیم ایک خالی شیشی لائیں اور اس میں وہ پسینہ بھرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو پوچھا اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو تو وہ عرض کرنے لگیں حضور میرے پاس خوشبو نہیں ہے، میں خوشبو جمع کر رہی ہوں۔

باغ جنت میں بھی ایسی خوشبو نہیں
جیسی خوشبو نبی کے پسینے میں ہے
ملنے کو جو مل جائے میرے گُل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

پھر فرمایا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی ہے یا درود میں رکھی ہے۔

صلوٰۃ کے معنی نماز کے بھی ہیں اور درود کے بھی۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا (الاحزاب:56)

امام سیوطی نے یہاں پر دونوں معنی لئے ہیں نماز بھی اور درود بھی۔ نماز سے آپ کی محبت کا بیان ازواج سے محبت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اذان کی آواز آتی تو حضور ہمارے درمیان سے ایسے اٹھتے جیسے ہمیں جانتے نہ ہوں۔

امام ابن حبان اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شدید پیاسا شخص پانی سے سیراب ہوسکتا ہے اور شدید بھوکا کھانے سے سیر ہوسکتا ہے لیکن میرا جی نماز سے نہیں بھرتا۔

دوسری طرف درود پاک ہے اس کو بھی حضور نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے، اس میں ہر درود شامل ہے جو بندے بھیجتے ہیں جو فرشتے بھیجتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔

اس حدیث کا پورا منظر کچھ یوں ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں۔ میری ازواج، خوشبو اور نماز و درود اس وقت آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان

آپ نے صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ کو کون سی تین چیزیں پسند ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے النظر علیك، وانفاق مالی علیك، والصلوٰۃ والسلام علیك۔

آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت۔ اپنا مال آپ پر لٹانا اور آپ پر درود وسلام بھیجنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا۔

أنا حبب الی من الدنیا ثلاث. الامر بالمعروف و النہی عن المنکر، واقامة حدود الله۔

مجھے دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں نیکی کا حکم کرنا، برائی سے منع کرنا اور اللہ کے دین اور احکام شرعیہ کو نافذ کرنا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ مجھے یہ تین چیزیں سب سے زیادہ پسند ہیں۔

اطعام الطعام، و افشاء السلام، والصلوٰة بالّیل والنّاسُ نیام۔

مجھے بھوکوں کو کھانا کھلانا، سلام کو عام کرنا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے دنیا میں یہ تین چیزیں پسند ہیں۔

الضرب بالسیف، والصوم بالصیف، وقری الضیف

تلوار سے جہاد اور شدید گرمی کے روزے اور مہمان نوازی۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام کا فرمان

حضرت جبریل امین جب نازل ہوئے اور یوں کہا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ النزول علی النبین و تبلیغ الرسالة

للمرسلین، والحمد للہ رب العالمین۔

انبیاء کی طرف جانا اور رسولوں کی طرف اللہ کا پیغام پہنچانا اور تمام جہانوں کے پروردگار کی حمد بجالانا۔

حدیث قدسی

جب حضرت جبریل امین آسمانوں کی طرف پرواز کر گئے اور پھر فوراً واپس لوٹے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے بھی اپنے تین قسم کے بندے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

لسان ذاکر، قلب شاکر وجسمٌ، علی البلاء صابر

ذکر الٰہی کرنے والی زبان، شاکر دل والا انسان اور مصیبت پر صبر کرنے والی جان۔

حضرت میکائیل علیہ السلام کا فرمان

پھر میکائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے کہا "انا حبب الی من الدنیا ثلاث "شاب... نائب، وقلب خاشع، وعین باکیۃ"

مجھے دنیا میں تین چیزیں بے حد پسند ہیں "توبہ کرنے والا جوان اور گڑگڑانے والا دل اور رونے والی آنکھ۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان:

جب یہ روایت حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا:

"میری دنیا کی محبوب ترین چیزیں یہ ہیں۔

ترك الترفع و تعالی، و قلبُ مِنْ حبِّ الدُّنیا خالی، و تهجد بالعلم فی الطول اللیالی۔"

''بڑائی اور بزرگی کا ترک، محبت دنیا سے خالی دل اور لمبی راتوں میں علمی مشغولیت۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب اس سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا۔

دنیا میں میری محبوب ترین تین چیزیں یہ ہیں۔

مجاورۃ تربۃ سیّد المرسلین، واحیاء علوم الدین والاقتداءُ بالخلفاء الرّاشدین

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری اور علوم دینیہ کی مشہوری اور خلفاء راشدین کی پیروی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر آگاہ ہو کر فرمایا کہ دنیا میں مجھے جو تین چیزیں بے حد پسند ہیں وہ یہ ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان

ترك التكلف، وعشرة الخلق بالتلطف، والاقتداء بطريق اهل تصوف۔

تکلف سے بچنا، مخلوق خدا سے شفقت سے پیش آنا اور اہل تصوف کی راہ پر چلنا۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا فرمان

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر آگاہ ہو کر فرمایا کہ مجھے دنیا میں یہ تین چیزیں محبوب ہیں۔

عطاء من غیر منة، ونفس مطمئنة و الاتباع للسنة۔

احسان جتائے بغیر عطاء کرنا اور نفس مطمئنّۃ اور راہ سنت پہ چلنا۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!!

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

"ائمہ حدیث کا فرمان"

جس گھر میں ترمذی شریف ہو، گویا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کلام فرما رہے ہیں۔

(بستان المحدثین)

نصیحت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے
اپنے صاحبزادہ کونصیحت کی ،فرزند
علماء کی صحبت میں خود بولنے سے
زیادہ سیکھنے کی کوشش کرنا،حسن سکوت
کی طرح حسن سماعت بھی سیکھنا
چاہیے ،کسی کی بات کبھی نہ کاٹنا ،
چاہے کتنی دیر بولتا رہے۔

درس حدیث نمبر:11

قیام تعظیمی

قیام تعظیمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ط یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

حدّثنا ابو الولید، حدثنا شعبة، عن سعد بن ابراهیم، عن ابی امامة بن سهل بن حنیفٍ، عن ابی سعید انّ اهل قریظة نزلوا علی حکم سعد، فارسل النبی ﷺ الیه فجاء، فقال: "قوموا الی سیّد کُمْ او قال: خیر کم" فقعد عند النبی ﷺ فقال: هٰؤلاء نزلوا علی حکمك قال: فانّی احکم ان تقتل مقاتلتهم و تسبی ذراریّهم "فقال: لقد حکمت بما حکم به الملك [1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بنو قریظہ کے یہودی حضرت سعد کے حکم پر راضی ہو کر اترے سعد ہمارے حق میں جو تجویز کرے سو ہم کو قبول ہے،

۱۔ بخاری: کتاب الاستئذان، باب قول النبی ﷺ قوموا الی سیدکم: 926/2

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کو بلا بھیجا (مدینے سے سعد آئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اٹھو اپنے سردار کی طرف یا یوں فرمایا اپنے سے بہتر کی طرف، سو سعد حضور کے پاس بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سعد یہ یہودی آپ کی تجویز پر راضی ہو کر اترے ہیں تو سعد نے فرمایا کہ میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں اور ان کی عورتیں اور لڑکے قتل کیے جائیں (لونڈی اور غلام بنائے جائیں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اے سعد) تو نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

تمہید:

پیش نظر حدیث شریف آنے والے کے احترام میں برائے استقبال کھڑے ہونے یعنی قیام تعظیمی سے متعلق ہے۔ کسی آنے والے کے لیے کھڑا ہونا، اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا، اس کا حکم قرآن وسنت میں شریعت میں کیا ہے۔ اس سلسلے میں امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ کی الجامع الصحیح، کا متن پیش کیا جا رہا ہے، امام بخاری علیہ الرحمہ تقریباً اس حدیث کو پانچ مرتبہ لائے ہیں، یہ متفق علیہ ہے صحیحین میں جب کوئی حدیث آئے تو اس کو متفق علیہ کہتے ہیں، یعنی فنی اور اسنادی طور پر ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے، امام ابی داؤد اپنی سنن کے میں اور دیگر ائمہ حدیث بھی اس کو لائے ہیں، اس حکم کے متعلق دیگر ارشادات، احادیث مبارکہ کو بھی ائمہ حدیث نے ذکر کیا ہے، اس کے بالکل متوازی ایسی حدیث وروایات موجود ہیں جن کو پڑھ اور سن کے لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی آنے والے کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

ان روایات پر بحث ہوگی مگر آخر میں پہلے جو اصل مدعا اور متن ہے اس کو سمجھ لیں، امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ بنی قریظہ کے ساتھ ایک جنگ ہوئی تھی جو لوگ جنگ کے بعد قید میں آئے، جنگ تو مسلمانوں نے جیت لی بنو قریظہ کو شکست ہوئی ان کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا

چونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ ایک تعلق تھا ان کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے اور ان کے درمیان حکم مقرر کیا تا کہ زیادتی نہ ہو یہ ایک ایسے شخص تھے جو دونوں کے لیے قابل قبول تھے، بنو قریظہ کے قبیلے کے سردار تھے لیکن مسلمان تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو کہ بڑے جلیل القدر صحابی رسول تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وفات کے وقت فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت پر اللہ کا عرش بھی ہل گیا ہے، ان کو حکم و ثالث مقرر فرمایا گیا، جب بنو قریظہ ایک جرگہ میں پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ سعد بن معاذ کو بلاؤ یعنی یہ فیصلہ کر دیں یہ اس کی ثالثی پر مطمئن ہو جائیں گے جب پیغام پہنچا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک سواری پر آ رہے تھے غالباً گدھے یا خچر پر سوار تھے اس وقت گدھے کی سواری کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا وہ بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ آ رہے تھے کوئی پروٹوکول نہیں تھا جیسے آج کل سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے لیے ہوتا ہے۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے لیے رب کائنات نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:65)

ترجمہ: یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو علی الاطلاق اپنا حاکم و ثالث نہ مان لیں۔

انہوں نے جس کو حکم و ثالث اور جج بنایا ہے وہ بڑی شان کے آدمی ہیں جب وہ وہاں پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور سے دیکھ کر فرمایا: "قوموا الی سیدکم" اے مہاجرین و انصار اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ "او قال خیرکم" دونوں الفاظ حدیث میں موجود ہیں اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ یا اپنے سے بہتر کے لیے کھڑے ہو جاؤ، کئی لوگ جن کے لیے "خیرکم" فرمایا ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

خیر کم من تعلم القرآن وعلمه

ترجمہ: تم میں بہتر وہ جو قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔ [1]

سیادت علمی کو سیادت نسبی پر فوقیت حاصل ہے:

یہاں علی الاطلاق فرمادیا کہ سعد بن معاذ جو آرہا ہے یہ تمہارا سردار ہے، یہ نکتہ بڑا غور طلب ہے کہ سیادت صرف نسب سے نہیں ہوتی، یہ نہیں کہ یہ شاہ صاحب ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ یہ سادات کی لڑی سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو جو بڑا عقل مند تھا حکم وثالث مقرر فرمایا، اس کو علی الاطلاق سید فرمایا، اپنے سردار اور سید کے لیے کھڑے ہو جاؤ لہذا جو بزرگ ہوں وہ سید نہ بھی ہوں۔ تو ان کو شاہ صاحب کہہ سکتے ہیں، مثلاً شاہ احمد رضا خاں، شاہ اور خان اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان کے پاس بھی علم و تقوی آجائے تو وہ بھی شاہ ہو جاتا ہے، ائمہ اور شارحین حدیث نے یہ نکتہ لکھا کہ سیادت صرف نسبی نہیں ہوتی، یہاں ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ سیادت علمی کو سیادت نسبی پر فوقیت حاصل ہے یعنی ایک غیر سید عالم ہو اور ایک سید غیر عالم ہو تو دونوں میں سے فضیلت عالم کو ہے اس طرح ایک نوجوان عالم ہو اور ایک بوڑھا بزرگ غیر عالم ہو تو فضیلت از روئے شریعت نوجوان عالم کو حاصل ہے۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بزرگی بعقل است نہ بسال
تونگری بہ ہنر است نہ بمال

ترجمہ: حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ بزرگی کا تعلق عقل سے ہے نہ

1۔ بخاری: کتاب الفضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن، 752/2

کہ ماہ وسال سے ہے، تونگری کا تعلق ہنر سے ہے مال سے نہیں۔

بزرگی کا تعلق عقل وفراست، فہم وادراک اور حکمت سے ہے عمر سے بزرگی کا تعلق نہیں ہے اور بڑا سخی وہ نہیں جو صرف مال دے بلکہ بڑا سخی وہ جو ہنر دے۔ مثلاً ایک شخص نے ایک کو ایک لاکھ روپے دیے، اور ایک دوسرے نے کسی کو ہنر سکھا دیا کہ جو خود بھی اور دوسروں کی بھی پرورش کر رہا ہے تو وہ ہنر اس مال سے افضل ہو گیا وہ سخاوت تھی جو استاد نے اپنے شاگرد کو دی۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا سخی اللہ ہے اس کے بعد سب سے بڑا سخی میں ہوں اس کے بعد میری امت سے سب سے بڑا سخی وہ ہے جو خدا نے اس کو علم دیا اس کو خلق خدا میں بانٹتا رہا تو یہ بھی سخاوت ہے۔ تو لہذا بزرگی کا تعلق عقل وعلم سے ہے، اگر ہم اس پیمانے پر دیکھیں کہ ایک بزرگ ہے اور ایک نوجوان ہے تو احترام بزرگ کا زیادہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ومن یؤقر کبیرنا فلیس منا[1]

ترجمہ: جو ہمارے بڑے کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

ومن لم یرحم صغیرنا فلیس منا[2]

ترجمہ: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

ومن لم یعرف لعالمنا حقه فلیس منا[3]

ترجمہ: اور جس نے ہمارے عالم کے حق کو نہ پہچانا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہاں پیمانہ عمر ہے بزرگ اور نوجوان، اگر مقابل ہوں تو بزرگ کو فضیلت

۱۔ مجمع الزوائد: کتاب الادب، رقم: 12610

۲۔ ترمذی: ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء رحمۃ الصبیان 14/2: مجمع الزوائد: کتاب الادب، رقم: 12610

۳۔ مجمع الزوائد: کتاب الادب، رقم: 12610

حاصل ہے۔ اگر موازنہ ہو رہا ہو ایک ایسے نوجوان عالم کا بوڑھے عالم کے ساتھ تو بوڑھے کا احترام زیادہ ہے، امامت کرانی ہے ایک بوڑھا عالم ہے ایک نوجوان عالم ہے تو امامت کے لیے بوڑھا عالم حق دار ہے لیکن اگر وہ بوڑھا عالم اجازت دے کہ مولانا صاحب امامت کرائیں تو پھر نوجوان امامت کرائے گا لیکن اصل میں وہ بزرگ عالم ہی امامت کرا رہا ہے جنہوں نے حکم دیا تھا۔ یہ چیزیں سمجھ لیں ہمارے ہاں ان کا شعور نہیں ہے سیادت تو بہت بڑی چیز ہے اس کو بندہ زور بازو سے حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عالم کا ادب

امام شعبی علیہ الرحمۃ کی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور اہل بیت میں سے ہیں، وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی رکاب تھام کے کھڑے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں آپ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، وہ فرماتے ہیں آپ بیٹھے رہیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی سکھایا ہے کہ علماء کی تعظیم ایسے ہی کرنی ہے، یہ تربیت تھی، وہ نیچے اترے تو انہوں نے ہاتھوں پر بوسے دینا شروع کر دیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہمیں بھی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی سکھایا ہے آپ کی قرابت کا ادب ایسا ہی کرنا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُل لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط (الشوریٰ:23)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

یہ چیزیں سمجھنے کی ہیں "سید کم" سے علماء نے کئی چیزیں نکالیں ہیں جو تم میں بہتر ہے علم والا ہے جب میں لفظ بزرگ کہوں تو اس سے مراد عمر والی بزرگی نہیں

1۔ جامع بیان العلم وفضلہ:98

بلکہ علم والی بزرگی کی بات ہوگئی۔

تو جب یہ فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو سب سے پہلے کہنے والے خود کھڑے ہوئے **فقعد عند النبی** ﷺ وہ آئے جو کہ خاص سیٹ تھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے "**فقال: ھؤلاء نزلوا علی حکمك**" اب ان کی قسمت دیکھیں سعد کے امام کو چھوڑ کر سعد کے فیصلے پر متفق ہیں، انہوں نے کہا کہ اے سعد یہ تیرے فیصلے کے منتظر ہیں **قال: فانّی احکم ان تقتل مقاتلتھم وتسبی ذراریّھم**" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنایا بلا جھجک اور دوٹوک اور بڑی جامع سٹیٹ منٹ دی فرمایا وہ لوگ جنہوں نے لڑائی میں حصہ لیا ہمارے لوگوں کو قتل کیا ان کو قتل کیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قید کرلیا جائے، نبی کریم ﷺ فرمایا: **فقال: لقد حکمت بما حکم به الملكّ**" اے سعد تو نے وہی فیصلہ کیا ہے جو تمہارے فیصلہ سنانے سے پہلے جبریل آکر مجھے یہ فیصلہ سنا چکے ہیں آقا ﷺ نے داد دی وہ خوش ہوئے۔ بہر حال آقا ﷺ نے فرمایا:" **قوموا الی سیدکم**"

ترجمہ: تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری وہ اس کے تحت لکھتے ہیں: کہ حاکم وقت پر لازم ہے، نبی کریم ﷺ اس وقت کی حکومت تھے سرکاری قانونی، آئینی طور پر رسالت کے منصب کے علاوہ اس وقت کا جو منصب و سٹیٹ تھا وہ آپ ﷺ کا تھا تو علامہ عینی لکھتے ہیں حکومت وقت فوراً اپنی رعایہ کو حکم دے کہ قانونی طور پر کہ علماء کا احترام کرو سادات کا جو منصب ہے جو تم میں سے بہترین ہیں ان کا احترام کرو اگر حاکم وقت ہو وہ اہل فضل کو اپنے ساتھ مرتبہ پر بٹھائے "**والقیام فیه لغیرہ من اصحابه، و الزام الناس کافة للقیام الی سیدھم**" پھر اپنے دوسرے ساتھی کو بھی اس کا پابند کرے اور لوگوں پر لازم کردے کہ وہ اپنے سے بڑوں کا اور اہل سادات کا اور اہل

منصب کا، علماء و مشائخ کا احترام کریں، حاکم وقت اگر عادل ہو تو اسی طرح اس کا اکرام بھی لازم ہے، علماء یہاں ایک نکتہ اٹھائے رہے ہیں سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے اشتباہ میں پڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے کہ "نبی کریم ﷺ قال: خرج النبی ﷺ متوکئا علی عصیً" نبی کریم ﷺ عصا شریف پر ٹیک لگا کے باہر تشریف لا رہے تھے "فقمنا له فقال: لا تقوموا کما تقوم الاعاجم۔[1] ہم سبھی کھڑے ہو گئے فرمایا: اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں روم، ایران، کسریٰ کے درباروں میں اور آج بھی یہ ہے کوئی وزیر و مشیر سیٹ پر بیٹھا ہوا اور وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں پہلے ایسے ہوتا کہ بادشاہ تخت پر ہے اور باقی سبھی ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے تو آقا ﷺ نے یہ اشارہ دیا کہ اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو یہ نہیں فرمایا کہ تم کھڑے نہ ہوا کرو کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس طرح نہ کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کی مزید تائید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو خواہش ہو کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں اور مستقل کھڑے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان النبی ﷺ قال: من احب ان یتمثل له الرجال قیاما وجبت له النار" (الترغیب والترہیب: رقم: 4003) جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کیلئے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔ یعنی جس طرح لوگ تصویر اور مستقل کھڑے ہوتے ہیں اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

قیام تعظیمی کے جائز اور ناجائز اسباب

علامہ ابن رشد نے قیام کی چار وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

---

[1] الترغیب والترہیب: رقم 4004:

پہلا قیام: جو شخص پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو اس کے لیے قیام کرنا حرام ہے۔ دوسرا قیام: جو متکبر شخص کسی کو مجبور کر کے اپنے لیے قیام کرائے وہ منع ہے اور کسی ایسے شخص کے لیے ہو جو اس کا اہل ہی نہ ہو تو اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔ تیسرا قیام: کوئی دین دار، صاحب فضل اور بزرگ آرہا ہو تو اس کے لیے قیام کرنا جائز ہے، "قوموا الی سیدکم "فرمایا اس کے اکرام وتکریم کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ چوتھا قیام: یہ مستحب ہے "وھو ان یقوم لمن قدم من سفر فرحا بقدومه لیسلم الیه" کوئی ساتھی یا بھائی سفر سے آیا اس کے لیے کھڑے ہونا یا بطور مہمان آیا اس کے لیے کھڑے ہونا یہ چاروں چیزیں اس قیام کے اندر شامل ہیں۔

فرمایا: "قوموا الی سیدکم " ایک متن میں ہے "قوموا لسیدکم " اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور ایک ہے اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ یعنی اس کے پہنچنے سے پہلے تم پہنچ جاؤ جیسے ایئر پورٹ پر جاتے ہو، ایک ہے گھر پہنچ گیا ہے اب کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے ایسا ہی حکم دیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام تعظیمی کرنا

امام بیہقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "القیام علی وجه البر والاکرام جائز کقیام الانصار لسعد" جو قیام کسی کے دین اور علم وتقوی اور نیکی کی وجہ سے ہو وہ مستحب ہے باعث اجر وثواب ہے جیسے انصار نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قوموا الی سیدکم" "والطلحة لکعب" حضرت طلحہ جب توبہ کر کے مسجد نبوی میں آئے ایک ایسا بندہ

جو توبہ کر کے آیا ہے ابھی اس کو کوئی رسپونس نہیں ملا تو اس کی توبہ کے احساس سے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہوئے مجھے پکڑا ہاتھ ملایا اور مبارک باد دی یہ صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مجھے رسیو کیا اور بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچایا، یہ بنیاد جو اسلام نے ہمیں فراہم کی ہے۔

سنن ابی داود کی ایک حدیث پڑھیے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، امام نسائی علیہ الرحمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھے گفتگو فرما رہے تھے "**فاذا قام قمنا قیاما**" جب مجلس برخاست ہوتی تو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھڑے ہو جاتے "**حتی نراہ دخل بعض ازواجه**" ہم اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ اپنی ازواج میں سے کسی گھر داخل نہ جاتے یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ حدیث جانے والے کے لیے قیام کرنے کی دلیل ہے، ایک ہے آنے پر کھڑے ہونا دوسرا ہے جانے پر کھڑا ہونا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی سکھایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رضاعی والدین کا ادب کرنا

حضرت عمر بن صائب فرماتے ہیں "**ان رسول الله ﷺ کان جالسا فاقبل ابوہ من الرضاعة**" بڑی بابرکت اور کیفیت والی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی باپ اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہ کے شوہر آئے "**فوضع له بعض ثوبه فقعد علیه**" تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر کا کچھ حصہ ان کے لیے کھول دیا اس پر ان کو بیٹھا دیا "**ثم اقبلت امه فوضع لها شق ثوبه من الجانب الاخر فجلست علیه**" اتنے میں رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں تو جو کپڑا بچ گیا تھا وہ ان کے لیے بچھا دیا وہ اس پر بیٹھ گئی "**ثم**

اقبل اخوہ من الرضاعۃ فقام رسول اللہ ﷺ فاجلسہ بین یدیہ۔[1]

پھر رضاعی بھائی آ گئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود کھڑے ہوئے پھر اپنے دودھ شریک بھائی کو اپنے سامنے بیٹھا لیا، دائیں بائیں رضاعی ماں باپ اور سامنے رضاعی بھائی کو بیٹھایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ یہ قیام تعظیمی ہے، ورنہ ہمارے یہاں ایسے ہوتا ہے کہ یہ قول رسول، یہ فعل رسول، یہ عمل رسول ہے کسی صحابی نے یا کسی صحابیہ نے کوئی کام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا ہے دیکھا ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے تو اس کو تقریر رسول کہتے ہیں، اس عمل کو یہ سعادت حاصل ہے کہ یہ عمل قول رسول بھی ہے فعل رسول بھی ہے اور تقریر رسول بھی ہے یہ تینوں برکتیں اس عمل میں شامل ہیں۔

رضاعی ماں باپ ہیں، عمل سے فرمایا: حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہٗ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہوئے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کا استقبال کیا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد و فرمودہ عمل جس میں آنے والے کے لیے کھڑا ہونا، اس کو ائمہ فقہا اور ائمہ حدیث کے علماء نے بے حد عمل کیا اور اس پر الزام فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا عالم کے لیے قیام تعظیمی کرنا

سلف صالحین، متقدمین ائمہ کا اس پر طرز عمل رہا، بے شک اس میں کوئی عمر کا چھوٹا ہی ہو، نوجوان عالم ہے اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اس نوجوان کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں جب حاضرین میں سے کسی نے پوچھا آپ وقت کے امام ہیں اور ایک چھوٹے سے بچہ کے کھڑے ہو رہے ہیں آپ نے اس کا پورا شجرہ بولا، فرمایا تم تو دوسری بات کر رہے ہو وہ عالم بھی ہے بالکل ٹھیک ہے مگر یہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، تین واسطوں سے یہ عبدالرحمن بن عوف کا پوتا تھا، میں اس کے

1۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی بر الوالدین، رقم: 5145

احترام میں کھڑا ہوا ہوں چلو عمر میں چھوٹا ہی سہی یہ ہے بزرگوں نے جو آداب سکھائے ہیں تعلیم دی ہے ان کے اقوال میں تعلیم کے سارے پہلو ہوا کرتے تھے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ "قوموالی سیدکم" اس حدیث کو چار مقام پر ذکر کیا ہے، صحیح مسلم اور ابوداود اور امام بخاری اس کو ادب المفرد میں بھی لائے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا قیام تعظیمی فرمانا

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، عجیب بات ہیں کہ ماں اپنی بیٹی کی فضیلت بیان کرتی ہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما رایت احدا اشبہ سمتا و دلا و ھدیا برسول اللہ ﷺ فی قیامھا و قعودھا من فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ قالت: و کانت اذا دخلت علی النبی ﷺ قام الیھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ، و کان النبی ﷺ اذا دخل علیھا قامت من مجلسھا و قبلتہ و اجلستہ فی مجلسھا [1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کسی بھی شخص کو چال میں گفتار میں رفتار میں اور انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے مشابہ نہیں دیکھا جتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے حتی کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو بہو تصویر تھی۔ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے ان کو بوسہ دیتے تھے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے او جس جگہ خود تشریف فرما ہوتے اسی جگہ ان کو بھی بیٹھا دیتے۔ دوسری طرف کیا تھا۔ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیاری صاحبزادی سے

ا۔ ترمذی: ابواب المناقب، باب فی فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا: 226/2

ملاقات کے لیے تشریف لاتے تو وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو جاتی اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیتی اور جس جگہ خود بیٹھتی اس جگہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھا دیتی یہ وہ معاملات ہیں جو اندرون خانہ ہو رہے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا احسان ہے کہ رسول اللہ کی اس ادا کو روایت کر کے اس امت تک پہنچایا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے یہ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نہایت کریمانہ اور شان والا پہلو ہے یہ معمول تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ بوسہ دینا اور کھڑے ہونا اور اپنی جگہ پر بٹھانا اور یہی کیفیت حضرت فاطمۃ الزہرا کی بھی تھی۔ اب دیکھیں دونوں طرف سے کیفیت ایک ہی ہے لیکن جب باپ بیٹی کے لیے کھڑا ہوگا تو یہ استقبال و شفقت پر مبنی ہوگا اور جب بیٹی باپ کے لیے کھڑی ہوگئی تو یہ احترام ہوگا۔ عمل ایک ہی ہے لیکن اس کے عمل کرنے والے کی نوعیت تبدیل ہوگئی دونوں نے بوسہ دیا لیکن اس کے اندر کیفیت میں تبدیلی ہے۔

یہاں بات ہو رہی ہے قیام تعظیمی کی کہ آنے والے کے لیے استقبال کرنا اور جانے والے کو ادب و احترام سے رخصت کرنا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا جن کی وجہ سے یہ آیت مبارکہ اتری:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (الاحزاب:40)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول

ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔

چونکہ عربوں نے آپ کو ابوزید کہہ کے پکارنا شروع کر دیا تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت تھی حلانکہ وہ ایک سیاہ فام غلام تھے۔لیکن آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بھی بڑی عجیب ہے، جب شفقت آتی ہے تو بلال میں اور ابوذر غفاری میں کوئی فرق نہیں ہوتا وہ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرے میں تشریف فرماتھے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے دروازے پر دستک دی جب پتہ چلا کہ زید بن حارثہ ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ "فقام رسول ﷺ الیه عریانا یجر ثوبه "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اتنی والہانہ محبت تھی کہ جسم پر چادر بھی نہیں، چادر گھسیٹتے ہوئے دروازے پر جارہے ہیں "واللہ مارایته عریانا قبله ولا بعده "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس انداز میں نہ کبھی پہلے دیکھا اور نہ کبھی بعد میں دیکھا تھا۔کہ جسم پر چادر نہ ہو اور آپ ایسے ہی کپڑا گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف جارہے ہوں، اس والہانہ کیفیتوں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا"فاعتنقه و قبّله "[1] جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اس کے ساتھ لپٹ گئے اور اس کو بوسہ دیا، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے پیشانی پر بوسہ، رخسار پر بوسہ، گردان پر بوسہ معانقہ کے اندر یہ شامل ہے، ہاتھ سے ہاتھ ملایا پھر معانقہ کیا پھر جو کمال محبت کی انتہا ہے وہ بوسہ پر ہے، اب بوسہ کون کسے دے رہا ہے یہاں بھی وہی کیفیت ہے باپ بیٹا کو چوم رہا ہے ماں بیٹے کو چوم رہی ہے بہن بھائی ایک دوسرے کو بوسے دے رہے ہیں یہ اور بات ہے، اور

ا۔ ریاض الصالحین، کتاب السلام

استاد شاگرد کو بوسہ دے رہا ہے اور شاگرد استاد کے ہاتھ چوم رہا ہے مرید مشائخ کے ہاتھ پاؤں چوم رہا ہے یہ سارے مظاہر صحابہ کرام سے ثابت ہیں "ھذان حدیثان دلیلا القیام عند القدوم" ائمہ حدیث فرماتے ہیں یہ دونوں حدیثیں بھی پہلی کی طرح کسی کے آنے پر کھڑے ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس حدیث پاک کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہے اور امام محی الدین شرف زکریا نووی بھی اپنی کتاب ترخیص فی القیام کے اندر پوری سند کے ساتھ لائے ہیں۔

تیسری حدیث پاک جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ: کان النبی ﷺ یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتی نراہ دخل الی بعض ازواجہ"[1]

حدیث مرسل کی تعریف

حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ اگر تابعی اس کو روایت کرے اور کہے قال رسول اللہ ﷺ یعنی تابعی صحابی کا نام نہ لے۔ یہ حدیث پاک مرسل ہے، اصول حدیث کا ایک تبرک ہے چونکہ حدیث کے طلباء کے لیے مفید ہے، وہ بغیر سننے والے سے براہ راست اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے اس کو حدیث مرسل کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ، تابعی ہیں یہ کہیں قال رسول اللہ ﷺ تو یہ حدیث مرسل ہو گئی ظاہر بات ہے کہ تابعی تو رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت نہیں کر سکتا تو معلوم ہو گیا کہ درمیان میں واسطہ مذکور نہیں ہے۔

1۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی الحلم والاخلاق النبی ﷺ

حضرت عمر بن صائب رضی اللہ عنہ والی حدیث مرسل ہے اسکو نقل کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض نے کہا کہ حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے ایک واسطہ درمیان میں نہیں ہے، جمہور ائمہ کرام نے فرمایا کہ جو مستند تابعی چونکہ تابعی مستند ہی ہوتا ہے ان کے بارے یہ گمان درست ہی نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرے گا اگر مشہور وثقہ تابعی یا کوئی امام مستند روایت کرے تو اس کے بارے حسن ظن رکھنا ہوگا کہ ضرور اس نے کسی صحابی سے سنی ہوگی۔

بنو امیہ جب اہل بیت اطہار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک خاص تاثر پایا جاتا تھا۔تو اس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرویات کو تابعی ان کا نام لیے بغیر ذکر کر دیتے تھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ان میں سرفہرست ہیں چونکہ ان کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تھا۔

چونکہ ماحول اور مخالفت ایسی تھی کہ نام نہیں لیتے تھے،لیکن کسی موقع پر بیان کر دیتے کہ جب میں یہ ٹرم استعمال کروں یا یہ الفاظ ذکر کروں تو وہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہوگی۔اس میں ضابطہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم تینوں حدیث مرسل کو متفقہ قبول کرتے ہیں لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ حدیث مرسل کو مشروط طور پر قبول کرتے ہیں جو ان کے ماننے والے ہیں وہ بھی مشروط طور پر حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں مجموعی طور پر قبول نہیں کرتے اور وہ اس کو حدیث ضعیف کہتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سرحد مدینہ پر آئے تو ہم نے سوچا کہ سفر سے آئے ہیں گرد و غبار پڑی ہوئے ہے نہا دھو کر بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا جذبہ اتنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام سواریاں چھوڑ کر اپنے گھروں میں

تیاری کرنے کے لیے جارہے ہیں، فرماتے ہیں: ”فلما خرج قمنا الیه“ رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے تو ہم آقا کی بارگاہ میں معذرت خانہ طور پر عرض کی، آقا آپ پہلے ہی باہر تشریف لائے ہیں ”نحن الفرارون“ حضور ہم بھاگ رہے تھے تاکہ صاف ستھرے ہو کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ”فاقبل علینا“ فقال: لا، بل أنتم العکارون“ فرمایا تم مغرور لوگ نہیں ہو تم بھاگنے والے نہیں ہو بلکہ تم وہ لوگ ہو جو تیاری کر کے امام کے ساتھ ہو کر لڑتے ہو، ”قال فدنونا فقبلنا یدہٗ“ فرمایا ہم حضور ﷺ کی طرف دوڑ پڑے اور بار بار سب نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا ”فقال ان فئة المسلمین“ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا ہم سب مسلمان ہیں یہ وہ امور تھے کہ ان پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے اور ان پر مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ پروپیگنڈے کا شکار ہو گے اور خود اس پر فتویٰ لگانے لگے خود اس سنت سے محروم ہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا اس پر عمل پیرا ہو تو اس پر بھی فتوے لگاتے ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہٗ اب صحابی کا صحابی کے لیے کھڑے ہونا، یہ وہ صحابہ ہیں جو ایک غزوہ میں پیچھے رہ گئے اور سورہ توبہ میں ان کی قبولیت کا ذکر آیا ہے، حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ سورۃ توبہ کی آیت نمبر 118.117 یہ ان کی قبولیت کے حوالے سے اتری تھی، اسلام خفا ہو گئے تھے، جہاد میں نہ جانے کی وجہ سے، انہوں نے عذر پیش کیا کہ آپ چلیں ہم آپ کے پیچھے آجائیں گے ہم نے پانی لگانا ہے فصلیں کھڑی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تینوں نہ جا سکے واپسی پر آقا علیہ السلام نے ان سے ناراضگی کا اظہار فرمایا، رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے ان کے گھر والوں نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا، فرمایا جب رسول اللہ ﷺ ناراض ہیں تو ہمارا اس سے کیا تعلق ہے بیوی بچے باقی گھر والوں نے بائکاٹ کر دیا اب یہ اس

معاشرے میں ایسے تھے گویا یہ اکیلے ہیں رہ گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی تو یہ قبول ہوئی، فرماتے ہیں حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ، جب میں توبہ کر کے مسجد نبوی میں داخل ہوا تو لوگوں نے فوج در جوج مجھے مبارک باد دی، پہلے سب نے تعلق چھوڑ دیا، اُن کی اگر کسی سے محبت ہے تو صرف اللہ کے لیے اور اگر دشمنی ہے تو صرف اللہ کے لیے ہے۔

دعوت فکر

لیکن ہم دوستیاں بھی اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں اور دشمنیاں ابھی اپنے لیے کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کی تربیت اور طرح کی تھی۔ حدیث پاک میں موجود ہے۔"قال معاویة قال النبی ﷺ من احب ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوأ مقعده من النار"۔[1] جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

قیام تعظیمی کی وضاحت

یہ جو کھڑا ہونے کی ممانعت کی حدیث ہے وہ اس ارادہ اور کیفیت کی ممانعت ہے جو کھڑا ہونے والے اور جس کے لیے کھڑا ہوا ہے اس کے دل میں جو ہے اس کی ممانعت ہے، وگرنہ حضرات صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تعلیم کبھی نہ دیتے۔ ائمہ فرماتے ہیں: یہ کراہت اس شخص کے لیے ہے جو مستحق قیام نہ ہو جو فاسق و فاجر ہو جو دنیادار ہو لیکن آج اس کا الٹ ہے کہ دیندار کے لیے کوئی نہیں اٹھتا اور فاسق و فاجر کے لیے ہر کوئی کھڑا ہونے کا تیار ہے۔ دین ہمارا یہ سیکھا رہا ہے کس کے لیے کھڑا ہونا ہے "الامام العادل" جو عادل حکمران ہو اس کے لیے کھڑا ہونا ہے "والمتعلم

۱۔ الترغیب والترہیب: رقم:4003

للعالم " طالب علم اپنے استاد کے لیے کھڑا ہو، مقتدی اپنے امام کے لیے کھڑا ہو، جس کے اندر یہ صفات نہ پائی جائیں تو اگر کوئی اس کے لیے کھڑا نہیں ہوتا تو کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس کی چار کیفیتیں ہیں ایک وہ جو با قاعدہ ممنوع ہے وہ یہ کہ کوئی دنیا دار شخص غرور و تکبر کا پیکر اور یہ خواہش رکھتا ہے کہ میرے لیے کھڑا ہوا جائے اس کے لیے کھڑا ہونا منع ہے اس کے دنیاوی جاہ منصب کے لیے اگر کوئی کھڑا ہوتا ہے تو یہ ممنوع ہے۔ دوسرا: کسی کے تکبر میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہو اس کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے، تیسری کیفیت جو جائز ہے کسی شخص کی نیکی کی وجہ سے صالح ہے اور دین دار آدمی کی وجہ سے اگر کھڑا ہو جائے تو یہ جائز ہے۔

چوتھی کیفیت جو مستحب ہے کوئی شخص دیندار ہے صالح ہے کوئی عزیز و قریب ہے رشتہ دار ہے باہر کے سفر سے آیا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے تو یہ مستحب ہے۔

امام محدثین حضرت یحیٰ بن سعید قطان علیہ الرحمہ جب عصر کی نماز پڑھا کے فارغ ہوتے جب حلقہ درس حدیث لگتا تو یہ مسجد کے مینار کے ساتھ ٹیک لگا لیتے، حدیث پڑھانے کے لیے بیٹھ جاتے "فیقف بین یدیه علی بن المدینی والشاذکونی و عمرو بن علی واحمد بن حنبل و یحیی بن معین وغیرهم " حضرت یحیٰ بن معین امام احمد بن حنبل کے استاد حدیث پڑھانے کے لیے بیٹھ جاتا اور شاگرد ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے وہ ادب کی وجہ سے کھڑے ہو کر سنتے تھے، یہاں دو ادب ہیں ایک حدیث پاک کا ادب اور دوسرا حدیث پڑھانے والے کا ادب ہے کیونکہ وہ ائمہ حدیث تھے اس کا مرتبہ و مقام جانتے تھے اور وہ پوچھتے رہتے تھے "یسالونه عن الحدیث وهم قیام علی ارجلهم الی

ان تحین صلاۃ المغرب لا یقول لواحد منھم اجلس ولا یجلسون ھیبۃ لہ اعظاماً"۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہو جاتی، حدیث کے بارے سوالات پوچھتے رہتے اور (حضرت یحییٰ بن سعید القطان علیہ الرحمہ) کسی سے بھی نہیں کہتے کہ تم بیٹھ جاؤ اور نہ ان میں سے کوئی استاد کے رعب و دبدبہ سے اور اکرام و تعظیم کی وجہ سے جرات ہوتی کہ بیٹھ جائے، یہاں سے ایک ادب یہ نکلا کہ مرید اور شاگرد اپنے استاد اور مشائخ کے لیے کھڑا ہو جائے اور جب تک وہ نہ بیٹھ جائے یہ نہ بیٹھے، اگر وہ کھڑا ہے تو یہ بھی کھڑا رہے کوئی ٹیک لگائے اگر کوئی عذر ہے تو اپنے استاد اور مشائخ سے اجازت طلب کرے۔

حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ، فرمایا کرتے کہ ہم حضرت ایوب سختانی علیہ الرحمہ ان کی خدمت میں بیٹھے ہوتے تو حضرت یونس علیہ الرحمہ تشریف لاتے یہ تابعین میں سے بزرگ ہیں "فقال حماد قوموا الی سیدکم "وہی الفاظ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے وہی الفاظ حماد بن زید رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو فرماتے، اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں سے امام نووی علیہ الرحمہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب کوئی صاحب علم و منصب آ جائے تو اس کو احتراماً سید کہنا جائز ہے یعنی ہمارے سردار کہنا جائز ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک قیام تعظیمی

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ ردالمحتار کے اندر لکھتے ہیں آنے والے کے لیے قیام تعظیمی کرنا مستحب ہے بشرطیکہ وہ آنے والا تعظیم کا مستحق ہو۔

ایک آدمی قرآن پاک پڑھ رہا ہے کوئی عالم آ گیا تو وہ تلاوت قرآن پاک موقوف کرے پہلے اس کا احترام کرے " قیام الجالس فی المسجد لمن

دخل علیہ تعظیما و قیام قارئ القران لمن یجئ علیہ" اگر آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں کوئی ذکر واذکار کر رہے ہوں یا تلاوت کر رہے ہوں اگر کسی کے بارے دل میں رنجش ہو تو قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الحشر:10)

ترجمہ: ایمان والوں کا کینہ دلوں میں نہ رہنا۔

تو اس جذبے کے لیے اس کے لیے بھی کھڑا ہو جائے ہوسکتا ہے اس کھڑا ہونے کی وجہ سے وہ رنجش جاتی رہے۔

فقہاء شوافع کے نزدیک قیام تعظیمی

یسن القیام الاھل الفضل اکراما لا ریاءً و تفخیما قیام کرنا سنت ہے کوئی ریا اور تصنع نہ ہو جو اہل فضل اور اہل تقوی ہیں ان کے لیے تو کھڑا ہونا سنت ہے اگر ان کے علاوہ ہو تو دیکھ لے کہ یہ اس کا اہل بھی ہے کہ نہیں ایسے ہی ملاوٹ تو نہیں، یہ سیاسی لیڈروں، مشیروں، وزیروں کے لیے قیام کرنا حرام ہے شوافع کے نزدیک اس کے لیے قیام کرنا حرام ہے۔

امام غزالی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: " القیام مکروہ علی سبیل الاعظام لا علی جھۃ الاکرام " اگر محض دنیاوی منصب کے لیے قیام کر رہا ہے تو وہ مکروہ ہے، لیکن اگر وہ صاحب عادل حکمران ہے، عالم ہے، تو اس کے لیے قیام کرنا درست ہے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک قیام تعظیمی

ائمہ مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں چونکہ شریعت نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا ہے کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے کسی کو چھینک آئے تو اس کا جواب دینے کا حکم دیا ہے

فلاقات کے وقت مصافحہ کرنے کا حکم دیا ہے یہ ساری باتوں کا حکم کیوں دیا ہے تا کہ پیار ومحبت اور رغبت پیدا ہو یہ چیز حوصلہ افزائی کے لائق ہے اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ لیکن جب کوئی عالم، صاحب تقوی فقہاء یا صوفیہ میں سے کوئی بزرگ ہو تو بدرجہ اس کے لئے کھڑا ہونا ہے یہ اکرام وتعظیم کرنا بہت بڑے اجر وثواب کی بات ہے۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک قیام تعظیمی

فقہاء حنابلہ فرماتے ہیں وہ قیام جس میں کوئی بیٹھا ہو چاہے، وہ کوئی بھی ہو معلم ہو، کوئی شیخ ہو، کوئی بزرگ ہو، پیر ہو، یا مہمان ہو تو وہ بیٹھ جائے اور آپ ہاتھ باندھ کے کھڑے ہیں جیسے کوئی اچھا میزبان ہو تو وہ ٹیبل کے پاس کھڑے رہتے ہیں جی کچھ چاہیے کچھ ضرورت تو نہیں۔

مومن کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے

سنن ابن ماجہ کے کتاب الفتن میں ایک حدیث پاک تبرکاً شامل کریں، جس طرح اللہ کی نشانیاں اور شعائر بہت سارے ہیں مثلاً خانہ کعبہ، قرآن پاک، حجر اسود، صفا ومروہ اور قربانی کا جانور وغیرہ ......"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" (الحج:32) جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم وتوقیر کی یہ دلوں کے تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

یہ حدیث پاک پڑھیں تا کہ آپ کو سارہ فلسفہ سمجھ آجائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے کہا:

"والذی نفس محمد بیدیہ" اے خانہ کعبہ مجھے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیری بڑی عزت وحرمت ہے تو بڑی شان والا ہے

لیکن "لحرمة المؤمن اعظم عند الله حرمة منك"[1]

میرے ایک امتی کی حرمت اللہ کی بارگاہ میں تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے اب بتائیں کعبہ کو دیکھنا تو عبادت ہو اور جس کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ ہو اس کو دیکھنا پھر اس کیفیت میں، اس نیت سے دیکھنا، اس حکم کی تعمیل میں دیکھنا، اس ارادے سے دیکھنا یہ ساری چیزیں اس کو اپنے ذھن میں رکھیں تو بہت سارے مسئلے حل کر دیتی ہے، ایک اللہ کا نیک بندہ ایک اللہ کا ولی اس کی عزت وحرمت اللہ کی بارگاہ میں کتنی ہوگی اور اگر کعبہ کو دیکھنا عبادت وثواب ہے گناہ مٹ جاتے ہیں اور کعبہ کو پہلی نظر دیکھ کر جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے پھر جس کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ ہے یہ جن لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ یہ صوفی لوگ ایسے جذبے کے ساتھ باتیں کرتے رہتے ہیں۔

مرشد دا دیدار ہے باہو سانوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

وہ بالکل سادہ اور چٹکلے انداز میں پیش کر دیتے ہیں حقیقت میں ان کے پیچھے قرآن وحدیث ہوتا ہے جب وہ سادہ سا بیان کرتے ہیں تو ہمارے سننے والے کو یقین ہی نہیں آتا کہ اس کے پیچھے بھی کوئی آیت یا حدیث ہو سکتی ہے، لیکن جب پڑھتا ہے اس کو سمجھ آتی ہے کہ جو اللہ والے اور ائمہ کرام ہوتے ہیں یہ بات کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی سند موجود ہوتی ہیں، یہ بات حضرت سلطان باہو کے اس شعر کی سند ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

وہ فرماتے ہیں کہ کسی اللہ والے کا دل خوش کر دینا یہ ہزاروں حج کرنے سے بہتر ہے اور ہزاروں کعبوں سے ایک زندہ دل بہتر ہے جس میں اللہ اور اللہ والے کی یاد ہو

1۔ ترمذی: ابواب التفسیر 145/2: سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المومن، 1297/2: مجمع الزوائد: کتاب الزہد، رقم: 17940

ورنہ ان کی حرمت کیا ہے کعبہ سے افضل ہونے کی، وہ بیت اللہ ضرور ہے مگر اللہ اس میں رہتا نہیں۔

حدیث قدسی میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں، فرمایا وہ جو میری یاد میں تڑپنے والے ہیں جن کے دل میری یاد میں ٹوٹ چکے ہیں ان ٹوٹے ہوئے دلوں میں تلاش کیا کر۔ اسی لیے فرمایا "انا جلیسٌ مع من ذکرنی"

جو میرا ذکر ہوتا ہے میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں اس لیے حدیث پاک میں فرمایا کہ میرے اس دوست جس کی عزت وحرمت کعبہ سے زیادہ ہے اُس سے جس نے بغض وعداوت رکھی اس سے میرا اعلان جنگ ہے۔

بے ادبی کا وبال

یہ دیکھیں کہ بے عملی ایک چیز ہے اور بے ادبی ایک چیز ہے بے عملی بندے کی ذات تک رہتی ہے اس کا گناہ اس کی ذات تک رہے گا لکھا ہوا رپورٹ ہو چکی ہے، بے ادبی متعدی ہوتی ہے یہ پھیلنے والا وائرس ہے پہلے اس کی ذات تباہ، پھر جو اس کے دائرے میں آیا، اس کی صحبت میں آیا اس کے تصورات ونظریات میں آیا وہ بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بے ادب تنہا نہ خوراد اشت بد
بلکہ آتش درہمہ آفاق زد

کہ بے ادب صرف اپنی ذات کا سبب نہیں بنتا بلکہ ایک جہاں اس بے ادب سے تباہ ہو جاتا ہے اسی لیے بے ادبی اور بے ادبوں سے بچنا بہت ضروری ہے، بے ادب کے ساتھ دوستی بھی بے ادبی ہے یہ لوگ نہیں جانتے، ایک ہے بے ادب ہونا،

ایک ہے بے ادب کی محبت کا دل میں ہونا، بے ادب کے لیے نرم گوشہ ہونا، بے ادب سے سلام وتعارف وتعلق ہونا یہ منافقت ہے یہ عبداللہ بن ابی گروپ کیا کرتے تھے، چلو کوئی بات نہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

جب ایمان والوں سے ملے تو کہا "قَالُوْٓا اٰمَنَّا"۔ جب کافروں سے ملے تو کہا قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ (البقرہ: 14) یہ بڑا خطرناک وائرس ہے امت کے کل صوفیا، علماء کا اس پر اجماع ہے ایک کافر کی صحبت سے ایک بے ادب کی صحبت زیادہ خطرناک ہے۔ بے ادب سے مراد بدعقیدہ ہے کسی بھی حوالے سے بے ادبی کا مرتکب ہو رہا ہے صحابہ کرام، اہل بیت اطہار کے حوالے سے بے ادبی کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس سے بچیں، یہ کوشش کریں کہ اس کی صحبت اس کے افکار ونظریات سے دور رہیں اس کی کوئی چنگاری اڑ کر تمہیں نقصان نہ دے۔

میاں محمد بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

برے بندے دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھاویں کنج کنج بہیے چنگاریاں پین ہزاراں

حضرات صوفیاء کرام جب بھی کوئی ایسی مثال دیتے ہیں تو سمندر کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے اللہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر:12

سلام کے آداب واحکام

سلام کے آداب واحکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنهما اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ : اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ ؟ تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَاُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: کھانا کھلانا اور واقف ناواقف سب کو سلام کہنا۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا الا ادلکم علی

۱- الترغیب والترہیب:412/3رقم:3978: صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام

شیء اذا فعلتموہ تحاببتم؟ افشوا السّلام بینکم[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے اور اس وقت تک تم مومن نہیں ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو رواج دو۔

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ (یونس:7)

ترجمہ: اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے۔

سلام کرنے کا طریقہ

"یستحب ان یقول المبتدیء بالسّلام السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ فیاتی بضمیر الجمع، و ان کان المسلم علیہ واحدا، و یقول المجیب و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ فیاتی بواو العطف فی قولہ وعلیکم"

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ پہلے سلام کرنے والا یہ الفاظ کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور برکت ہو) جمع کا صیغہ استعمال کرے، اگرچہ جسے سلام کہہ رہا ہے تنہا ہی کیوں نہ ہو، اور جواب دینے والا واؤ عطف کے ساتھ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ" کہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال لی رسول اللہ ﷺ هذا جبریل یقرأ علیك السلام قالت: و علیہ السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ[2]

۱۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی افشاء السلام: الترغیب والترہیب: 412/3، رقم: 3979

۲۔ ریاض الصالحین: کتاب السلام، رقم: 852: سنن ابن ماجہ: کتاب الادب، باب فی رد السلام

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ جبرئیل ہیں! جو تمہیں سلام کہتے ہیں۔ فرماتی ہیں: میں نے کہا: "وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

لفظ سلام کی شرح

جس ذات باری تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس کا صفاتی نام بھی سلام ہے۔ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہوں اس پر درود وسلام بھیجیں۔ اللہ جو ہمارا رب ہے اس کا تعارف یہ ہے کہ "الملك القدّوس السّلام" وہ خود سلام ہے۔ صحابہ کرام کہتے تھے کہ جب ہم نماز پڑھتے تھے جب ہم قعدہ اخیرہ میں پہنچتے تو ہم کہتے "السلام علی الله" اللہ پر سلام ہو۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ "لا تقولو علی الله السلام" فرمایا کہ یہ نہ کہا کرو کہ اللہ پر سلام ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر سلام کہتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو نبی کریم ﷺ نے اصلاح فرمائی وہ بھی بیان کرتے تھے۔ جب ان کی اصلاح ہوتی تو وہ اس پر عمل بھی کرتے تھے اور اس کو محفوظ کر کے ریکارڈ بھی بناتے تھے۔ صحابہ کرام یہ نہیں کہتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ ان کی نظر اپنے مالک ومولا پر رہتی تھی۔ ہماری نظر لوگوں پر رہتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ جہاں یہ تصور آجائے کہ لوگ کیا کہیں گے تو وہ عبادت شرک بن جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نماز اللہ کے لیے نہیں پڑھتا رہا بلکہ لوگوں کے لیے پڑھتا رہا۔ صحابہ کرام یہ اچھا کام کر رہے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تصحیح فرمائی، وہ فرماتے کہ ہم اپنی طرف سے اللہ پر سلام بھیج رہے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر تم سلام بھیج رہے ہو وہ تو خود سلام ہے۔ فرمایا: "ان الله هو السلام" یہ اس کی صفت بھی ہے، اس کا کام بھی ہے اور اس کا نام بھی

ہے۔وہ خودسلامتی ہے اور سلامتی عطا فرماتا ہے اور سلامتی کو پسند فرماتا ہے۔چونکہ وہ خودسلام ہے،اس کی طرف سے سلام ہے اور ہر حال سلام ہے۔اس لیے جب تم نے اس کے حضور ہدیہ ہائے عقیدت پیش کرنے ہوں تو وہ حضور ﷺ نے خود عطا فرمائے۔[1]

نماز میں سلام بھیجنا

مثلاً جب تم نے قعدہ میں تشہد کی حالت میں بیٹھنا ہے تو کہنا ہے۔"التحیات للہ والصلوات والطیبات" یہ اس وقت ملی تھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ پر سلام بھیج رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہٹادو اور یہ سلام بھیجا کرو۔کہ اے اللہ تمام مالی، بدنی، زبانی جتنی عبادتیں ہیں وہ سب تیرے لیے ہیں اور جب سلام بھیجنا ہو تو اللہ پر نہیں اس کے حبیب ﷺ پر بھیجا کرو۔پھر فرمایا:"السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یارسول اللہ ﷺ فداک ابی وامی وروحہ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی برکت اور اس کی رحمت ہو۔پھر آپ کے صدقے ہم پر بھی سلام ہو۔

نمازی صلوۃ و ثنا پڑھ رہے ہیں
ادا ہو رہی ہے عبادت کسی کی

(شہزاد مجددی)

نمازی اللہ کی عبادت کر رہا ہے اور اللہ کے بندوں کی طرف سے عبادت ادا ہو رہی ہے۔آپ غور کریں کہ نماز میں صرف اللہ کے حبیب پر سلام نہیں بھیجا جارہا۔بلکہ ساری امت پر سلام بھیجا جارہا ہے اور اللہ تعالی کو کوئی اعتراض نہیں اور یہ کیسے بدبخت

۱۔ صحیح بخاری: کتاب لاستئذان، باب السلام اسم من اسماء اللہ تعالی

اور ذوق ایمانی سے محروم لوگ ہیں کہ نماز کے اندر اللہ کو کوئی اعتراض نہیں اور یہ لوگ نماز کے باہر سلام پر اعتراض کر رہے ہیں۔تو یہ سلامتی بندے کے مزاج میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔سلامتی قلب میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی،سلامتی سوچ میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔اللہ خود سلامتی والا ہے اور اس نے جو محبوب بھیجا وہ بھی سلامتی کا پیکر بنا کر بھیجا ہے۔اور اس سلامتی کے پیکر نے جو ہمیں باہم ملنے کا طریقہ بتایا اس کا نام ہی سلام ہے۔

رب کا جنت میں سلام

اس لیے قرآن نے فرمایا:"وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ" (یونس:7) ترجمہ: اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے۔یہ جو دنیا میں سلام والے ہیں ایک دوسرے کو ہدیے اور تحفے دینے والے ہیں یہ جب جنت میں جائیں گے وہاں بھی ان کی تحیت سلام ہوگی۔دنیا میں کئی مذہب ہیں اور اپنے اپنے سلام کے طریقے ہیں ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے مختلف انداز اور اچھے الفاظ ہیں،آپ مختلف الفاظ سنتے ہیں،صبح کے وقت عرب کہتے ہیں" صباحا الخیر "شام کا وقت ہو تو" مساء الخیر "یہ آج بھی رائج ہے اور ہزاروں سال سے ہے۔ایک بہترین لفظ بھی ہے اور طریقہ بھی ہے۔یہ وہ الفاظ ہیں جو وقت کے ساتھ مخصوص ہیں۔صبح ہو تو سلام بدل گیا، دوپہر ہو تو سلام بدل گیا،شام ہو تو سلام بدل گیا،لیکن رحمۃ للعالمین،جو سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔انہوں نے وہ سلام دیا کہ جس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔چوبیس گھنٹے میں میرے دو امتی جب آپس میں ملیں تو پہلا کہے السلام علیکم،دوسرا کہے وعلیکم السلام،ایک کہتا ہے کہ تم پر سلام،تو دوسرا کہتا ہے کہ ہاں تم پر بھی سلام ہو،تو اس بندے نے اس کو کس ذات کے ساتھ جوڑ دیا،وہ کہتا کہ خدا تجھے بھی اپنے ساتھ

جڑا ہوا رکھے اور دوسرا کہتا ہے کہ خدا تجھے بھی اپنے ساتھ جڑا ہوا رکھے۔ کیونکہ تیرا رب سلامتی والا ہے تو سلامتی سے خالی کیسے رہ سکتا ہے۔ پھر دونوں یہ کہتے ہیں کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو خیر کی ضمانت دیتے ہیں۔

سلام کرنے کی فضیلت

عن عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الی النبی ﷺ قال: السلام علیکم، فرد علیه ثم جلس، فقال النبی ﷺ عشر ثم جاء آخر فقال: السلام علیکم و رحمة الله، فرد فجلس فقال: عشرون، ثم جاء آخر فقال: السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته فرد فجلس، فقال: ثلاثون[1]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا: "السلام علیکم" آپ نے اس کو سلام کا جواب مرحمت فرمایا وہ بیٹھ گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دس نیکیاں۔ پھر دوسرا آدمی حاضر ہوا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے جواب دیا وہ بیٹھ گیا فرمایا: بیس نیکیاں۔ پھر ایک اور شخص حاضر ہوا اور کہا: "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" وہاں ایک اور شخص آیا اور اس نے عرض کیا: السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته و مغفر ته جواب میں ارشاد فرمایا: و علیکم السلام و رحمة الله و بر کاته و مغفر ته آپ نے اس کو جواب دیا وہ بیٹھ گیا فرمایا تیس نیکیاں۔

اس طرح فضیلتیں حاصل کی جاتی ہیں جس طرح اس بندے نے حاصل کی

1۔ الترغیب والترہیب:418/3رقم:3996

ہیں، یعنی سلامتی میں، خیر میں، رحمت میں اور مغفرت میں جو جتنا بڑھتا جائے گا اتنے ہی اس کے درجات بلند ہوں گے۔

و روی عن سهل بن حنيف رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ من قال: السلام عليكم كتبت له عشر حسنات ومن قال: السلام عليكم و رحمة الله كتبت له عشرون حسنة ،ومن قال:السلام عليكم ورحمة الله و بركاته كتبت له ثلاثون حسنة[1]

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کہا ''السلام علیکم'' اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جس نے شخص نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جس شخص نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''خیر الناس من ینفع الناس'' بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔ جو دوسرے کی زیادہ بھلائی چاہنے والا ہو، جو ہماری شریعت میں اور ہمارے دین میں آپس میں ملنے کا طریقہ ہے

عن ابی ذر رضی الله عنه قال: قال لی رسول الله ﷺ لا تحقرن من المعروف شيئا ،ولو ان تلقى اخاك بوجه طلق[2]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: کسی نیکی کو حقیر نہ جانو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا ہو۔ یہ نہ سمجھے کہ یہ چھوٹی نیکی اور یہ بڑی نیکی ہے، جو نیکی ہے وہ ہمیشہ بڑی ہی ہوگی۔ اس کی مثال یہ

۱۔ الترغیب والترہیب:3/418،رقم:3997

۲۔ ریاض الصالحین: کتاب السلام: رقم:892

دی کہ "ولو ان تلقی اخاک بوجہ طلقٍ" اگر تم اپنے بھلائی سے خندہ پیشانی سے ملو تو یہ بھی نیکی ہے۔چہرے پر مسکراہٹ رکھ کر ملنا یہ اتنا نایاب ہو گیا ہے کہ جتنی ہمارے ملک میں بجلی نایاب ہو گی ہے۔بجلی کی طرح ہمارے چہرے بھی بجھ گے، یہ دوسرے معاشرتی حالات نے ہمارے چہرے بھی بجھا دیئے ہیں۔ہمارا رب اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بندوں کے چہرے کھلے رہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن یہ شناخت ہوگئی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (القیامہ:22) ترجمہ: اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں اور کچھ چہرے بجھے ہوئے ہوں۔ جو تروتازہ اور کھلے ہوئے چہرے ہوں گے وہ جنتیوں کے ہوں گے اور جو چہرے بجھے ہوئے اور سیاہ ہوں گے، وہ جہنم والوں کے ہوں گے۔تو اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی ہمیں جنتیوں والی ٹریننگ دی۔اور جو سلام جنتی جنت میں ایک دوسرے کو کریں گے وہ سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دنیا میں عطا فرما دیا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب:44) فرمایا جب یہ اپنے رب کی بارگاہ میں جا کر سلام کریں گے اس وقت ان کا سلام ہوگا "السلام علیکم" تم پر سلامتی ہو۔سورہ یٰس میں موجود ہے کہ جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو جو سلام ہے وہ سب سے پہلے سنت الٰہیہ ہے۔اللہ تعالیٰ خود سلام ہے اور سلام بھیجتا ہے۔جنتیوں کو جو پہلا پروٹوکول ملے گا وہ ہے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسین:58) ان پر مہربان رب کا سلام ہو گا۔جنتیوں کا استقبال جنت میں اس طرح ہوگا کہ سب سے پہلے ان کا رب فرمائے گا،جس کے لیے یہ ساری زندگی سجدے اور تسبیح کرتے رہے وہ کہے گا! اے میرے بندوں آج میں تم کو سلام کرتا ہوں۔ یہ آیہ کریمہ بہت ہی پیاری ہے اس کو ہمیں اپنی زبانوں پر جاری رکھنا چاہیے۔یہ جو ہمیں قرآن ملا ہوا ہے اس کی ہمیں قدر نہیں کیونکہ اس کی ہمیں پہچان نہیں ہے اگر اس کی پہچان ہو جائے تو دنیا ہی جنت بن سکتی ہے۔یہ

جو دنیا میں لوگ تڑپتے رہتے ہیں یہ غور نہیں کرتے اگر یہ غور کرلیں تو دنیا ہی جنت بن جائے اللہ اور اس کے حبیب نے تو ہمیں دنیا میں جنت دی ہوئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم اس سے استفادہ نہ کریں، ان خصوصیات میں سے کچھ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی ہمیں عطا فرمادی، ان میں سے ایک سلام ہے۔ اس سلام میں ایک سنت یہ بتائی کہ جب ملو تو چہرے پر بھی سلام ہو، لہجے میں بھی سلام ہو، اور ہاتھ پکڑنے میں بھی سلام ہو۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ پورا اسلام ہاتھ اور زبان دونوں ہیں۔ زبان سے السلام علیکم'' کہہ کے اس کے ذہن میں بھی ہو کہ میں اس کے لیے سراپا سلامتی ہوں، مجھ سے اس کو کسی قسم کی کوئی ایذا اور تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ سلامتی کے معنی جو سلام میں چھپے ہیں اس کو ذہن میں بندہ رکھے تو سلام کا حق ادا ہوتا ہے اگر اسے رسم سمجھ کے کرتا ہے وہ تو اس کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

جنت میں لے جانے والا نسخہ

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا الا ادلكم على شيء اذا فعلتموه تحاببتم؟ افشوا السّلام بينكم[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے اور اس وقت تک تم مومن نہیں ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو رواج دو۔

یعنی اگر تم آپس میں محبت نہیں کرو گے تو تمہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا، تمہیں

1۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی افشاء السلام: الترغیب والترہیب: 3/412رقم: 3979

ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوگی فرمایا وہ جو محبت کرنے کا نسخہ ہے وہ میں تمہیں بتادیتا ہوں کیا میں تمہیں وہ چیز بتادوں۔ یہ آپ کا انداز تھا، جب صحابہ کرام کو کچھ عطا کرنا ہوتا تو صحابہ کرام کے جذبہ طلب کو بڑھا دیتے تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ تمہیں کوئی قیمتی چیز ملنے والی ہے۔ پھر دیکھتے کہ یہ کتنی طلب سے کہتے ہیں تو وہ سراپا طلب بن جاتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی چیز عطا فرماتے، فرمایا اگر آپس میں محبت پیدا کرنی ہے تو افشوا السّلام بینکم آپس میں سلام کو اتنا عام کردو کہ ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہو۔ جب کوئی آپ سے سوال کرتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنت میں جانا چاہتا ہوں مجھے کوئی نسخہ بتادیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اگر تم جنت میں جانا چاہتا ہے تو سلام کیا کر ہر اس کو جسے تو جانتا ہے اور جسے تو نہیں جانتا، جس کے ساتھ تیری جان پہچان ہو یا جان پہچان نہ ہو۔ افشوا السّلام بینکم کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کو اپنا کلچر بنالو۔ سلام کو عام کردو، اس کو رواج بنالو، اور یہ سمجھ لو کہ سلام اللہ رب العالمین سے جڑنے کا نسخہ ہے۔

عن الطفیل بن ابی بن کعب انه کان یاتی عبدالله بن عمر، فیغدو معه الی السوق. قال فاذا غدونا الی السوق، لم یمر عبدالله علی سقاط ولا صاحب بیعه، ولا مسکین، ولا احد الا سلم علیه، قال الطفیل فجئت عبدا لله بن عمر رضی الله عنه یوماً فاستتبعنی الی لسوق. فقلت له وما تصنع بالسوق، و انت لا تقف علی البیع، ولا تسئال عن السلع، ولا تسوم بها، ولا تجلس فی مجالس السوق؟ واقول اجلس بنا ها هنا نتحدث. فقال یا ابا بطن و کان الطفیل ذا بطن انما نغدو من افل السلام فنسلم علی من لقینا [1]

1۔ ریاض الصالحین: کتاب السلام: رقم: 850

ترجمہ: حضرت طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کو اپنے ہمراہ بازار لے جاتے، فرماتے ہیں: جب ہم بوقت صبح بازار جاتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جس خوردہ فروش، تاجر، مسکین یا کسی اور شخص پر گزر ہوتا، اسے سلام کہتے۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مجھے اپنے ساتھ بازار لے جانے لگے، میں نے عرض کیا: آپ بازار جا کر کیا کریں گے، آپ نہ تو خرید وفروخت کے لیئے ٹھہرتے ہیں نہ کسی چیز کے متعلق پوچھتے ہیں نہ بھاؤ دریافت کرتے ہیں اور نہ ہی بازار کی کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر گفتگو کریں، انہوں نے فرمایا: اے پیٹ والے! حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کا پیٹ کچھ بڑا تھا، ہم صرف سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں جس سے ملاقات ہوتی ہے اسے سلام کرتے ہیں۔

عن ابی هریرہ رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ قال اذا لقی احدكم اخاه، فليسلم عليه، فان حالت بينهما شجرة او جدار او حجر، ثم لقيه، فليسلم عليه[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اسے سلام کہے اگر درمیان میں درخت، دیوار یا کوئی پتھر حائل ہوجائے اور پھر ملاقات ہو تو پھر دوبارہ سلام کہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ جہاں بھی جاتے وہاں ہر کسی کو سلام کرتے جو آپ کو جانتا ہے یا نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو جو سلام دیا وہ اپنے ناموں میں عطا فرمایا ہے۔ اپنی صفات میں

ا۔ ریاض الصالحین: کتاب السلام: رقم: 860

سے ایک صفت کوسلام بنا کے اپنے محبوب کے امتیوں کوعطا فرمایا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: رسول اللہ ﷺ ابخل النّاس من بخل بالسّلام[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ کنجوس آدمی وہ ہے جوسلام میں کنجوسی کرے۔

عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قیل یا رسول اللہ، الرجلان یلتقیان، ایھما یبدأ بالسلام؟ قال اولاھما باللہ[2]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ جب دو بندے آپس میں ملیں تو کونسا سلام میں پہل کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اپنے رب کے زیادہ قریب ہوگا وہی پہل کرے گا۔

یعنی یہ نشانی بتادی کہ جو رب کے قریب ہوگا پہل کی توفیق اسے ہی ملے گی۔ اور ایسا کئی بار ہوتا کہ صحابہ کہتے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی سلام کردیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ مبارک تھا کہ بچے باہر گلی میں کھیل رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں بھی سلام میں پہل کرتے ہیں۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ یسلم الراکب علی الماشی، والماشی علی القاعد، والماشیان ایّھما بداء فھو افضل[3]

۱۔ الترغیب والترہیب: 420/3، رقم: 4000

۲۔ ریاض الصالحین: کتاب الصالحین: رقم: 858

۳۔ بخاری: کتاب الاستئذان، باب تسلیم الراکب علی الماشی: الترغیب والترہیب: 420/3، رقم: 4000

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوار پیدل کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور بیٹھے ہوؤں میں سے جو بھی ابتداء کرے وہ افضل ہے۔ حالانکہ ترتیب تو یہی لیکن جب دونوں پیدل آ رہے ہیں تو وہاں وہی کلیہ کہ جو رب کے قریب ہے وہ پہلے سلام کرے۔

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اولی الناس باللہ من بدء بالسلام [1]

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ہاں سب سے زیادہ وہ شخص مقرب ہے جو سلام میں پہل کرے۔ سلام میں پہل اور سبقت یہ بھی قربت کی نشانی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچوں کو سلام اس لیے پہلے کیا جاتا ہے کہ ان کی تعلیم ہو جائے۔ لیکن آج ہم نے سلام کے مترادف کئی لفظ نکال لیے اور سلام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی جگہ دوسری چیزیں آ گئی ہیں کہ کوئی خدا حافظ کہتا ہے کوئی اللہ حافظ کہتا ہے، ایک تو یہ سنت نہیں دوسرا یہ ہماری تہذیب نہیں، یہ دعا ہے تو اس میں شامل ہیں اگر آپ کہیں "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" اس کے بعد اللہ حافظ بھی کہہ لیں تو کوئی حرج نہیں، لفظ سلام کے اس فیض کو صحابہ کرام نے آگے پھیلایا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کسی صحابی کا معاملہ ہوا کوئی چیز جو اُن سے لینی تھی تو میری ڈیوٹی لگی، ایک دن میں ایک صحابی کو ساتھ لے کر ان کے پاس چلا گیا ابھی وہ دور ہی تھے کہ میں نے انہیں کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" یہ بڑی نایاب سنت ہے، یہ روح سلام ہے جس نے اپنے اندر ذوق سلامتی پیدا کرنا ہو تو وہ اس کو ایک مرتبہ کر کے دیکھے، یہ طریقہ

1۔ الترغیب والترھیب:416/3، رقم:3989

عربوں میں آج بھی ہے کہ دور سے ہی السلام علیکم کہہ دیتے ہیں، جو ساتھ صحابی تھے وہ کہنے لگے ابھی تو وہ دور ہے آپ نے سلام کر دیا تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس قبیلے والے کو پتہ لگ جائے کہ ہم نیکی میں پہل کرنے والے ہیں۔ [1]

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے گلی میں بچوں نے دیکھا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ بزرگ ہیں تو انہوں نے دوڑ دوڑ کر سلام کرنا شروع کر دیا، ایک بچہ دور تھا اس نے آواز دی کہ مولانا ذرا ٹھہر جانا آپ رک گئے وہ بچہ آیا اور السلام علیکم کہہ کے بھاگ گیا، لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ اس چھوٹے سے بچے کے لیے گلی میں کھڑے رہے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال آیا اگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے رک جاتے، فرمانے لگے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ادا یاد آگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بچوں کو سلام میں پہل فرمایا کرتے تھے۔ جو آداب سلام ہیں اس کو آگے پھیلانا یہ رسول اللہ ﷺ بڑی محبوب سنت ہے، بڑے زور سے حضور ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے اور محدثین نے اس پر بڑے مفصل باب باندھے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو جنت میں جانے کے لیے بڑا نسخہ بیان فرمایا

افشوا السلام و اطعام الطعام و حسن الکلام سلام کو پھیلانے والا ہو اور لوگوں کو اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلانے والا ہو اور لوگوں سے اچھی بات کرنے والا ہو۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) سلام (۲) طعام (۳) کلام

---

[1] الترغیب والترہیب: 415/3، رقم: 3988

وہ مقامات جہاں سلام کرنا منع ہے

عن المقداد رضی اللہ عنہ فی حدیثہ الطویل قال کنا نرفع للنبی ﷺ نصیبہ من اللبن فیجیء من اللیل ، فیسلم تسلیما لا یوقظ نائما و یسمع الیقظان، فجاء النبی ﷺ فسلم کما کان یسلم[1]

ترجمہ: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دودھ کا حصہ رکھ دیتے آپ رات کو تشریف لاتے تو اس طریقہ سے سلام کرتے کہ سونے والا بیدار نہ ہوتا اور جاگنے والا سن لیتا بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معمول کے مطابق تشریف لائے اور سلام کہا۔ یعنی بندہ سلام اس جگہ نہ کرے جہاں کسی کو تکلیف ہو یا وہ کسی کے آرام میں خلل ڈالے۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں سلام کرنا منع بھی ہے۔ کیونکہ سلام، سلامتی کے لیے تھا کسی کو تکلیف دینے کے لیے نہیں تھا، مثلاً ایک بندہ نماز پڑھ رہا ہے اس کو سلام کرنا منع ہے کیونکہ وہ آپ کو جواب نہیں دے سکتا۔

مومن کا مومن پر حق

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام، وعیادۃ المریض واتباع الجنائز، واجابۃ الدعوۃ، وتشمیت العاطس[2]

ترجمہ: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں اگر وہ سلام کرے تو یہ اسے جواب دے، اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جائے، وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنا

۱۔ ریاض الصالحین: کتاب السلام، رقم:854

۲۔ صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: الترغیب والترہیب:414/3، رقم:3986

زے میں جائے، اگر وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، اگر اس کو چھینک آئے تو وہ الحمدللہ کہے اور یہ جواب میں یرحمکم اللہ کہے، یہ اس کے حقوق ہیں اگر یہ اس کو ایسے وقت میں سلام کر رہا ہے کہ وہ اسے جواب دینے پر قادر نہیں تو اسے گناہگار بنا رہا ہے، وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہا ہے اس کو سلام نہ کرے حتی کہ کھانا کھا رہا ہے تو بھی اسے سلام نہ کرے، یہاں تو بندے دستر خوان پر چڑھ کر سلام کر رہے ہوتے ہیں یہ تو سلامتی کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا منع ہے

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ بعض صوفیہ کرام کھانا کھاتے ہوئے سلام کا جواب دینا گناہ سمجھتے ہیں گویا تم نے اس کو اور ہمت دی کہ آئندہ بھی ایسا ہی کیا کر، اگر اس کو نہیں پتہ تو اشارے سے اس کو روک دے۔ اسی طرح یہود ونصاری کے طریقے سے سلام کو بھی منع کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی انگلیوں سے سلام کرتے ہیں اور عیسائی ہتھیلیوں سے سلام کرتے ہیں، فرمایا کہ تم اس کے خلاف کرو، لیکن ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے کہ منہ سے تو توفیق ہی نہیں کہ سلام کریں اور بعض تو ایسے ہیں کہ زندگی بھر سلام نہیں کہا اور نہ کسی سلام کہنے والے کو و علیکم السّلام کہا ہے وہ دنیا میں سلامتی سے خالی ہے۔ بس آئے ملے کیا حال ہے جی ٹھیک ہے یہ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کا سلام ہے۔ اس کی بجائے کہو "السّلام علیکم" اور جواب میں کہو وعلیکم السلام کہو۔ سام علیکم نہ کہو یہ بددعا ہے اس سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کہو، سام کا معنی ہے کہ تو تباہ و برباد ہو جائے، اساء علیکم تم پر افسوس ہے، تو بڑا بدنصیب انسان ہے، جب تم اس لفظ کو بگاڑو گے تو یہ دعا، بددعا میں بدل جائے گی۔ اس لیے صحیح طریقہ ہے "السّلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ و مغفرتہ" خوش دلی

کے ساتھ، صرف اس ایک سنت میں بخشش ہے۔

سلام کرنے سے بخشش ہو جاتی ہے

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: قال: رسو اللہ ﷺ ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا[1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، دونوں کے ہاتھ جدا ہونے سے پہلے ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ان کے جدا ہونے سے پہلے اس طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ۔

سبحان اللہ! یہ کیسا نسخہ کیمیاء ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سلامتی عطا فرمائے اور سلامتی آگے بانٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین!

والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

تمت بحمد اللہ تعالیٰ

OOOO

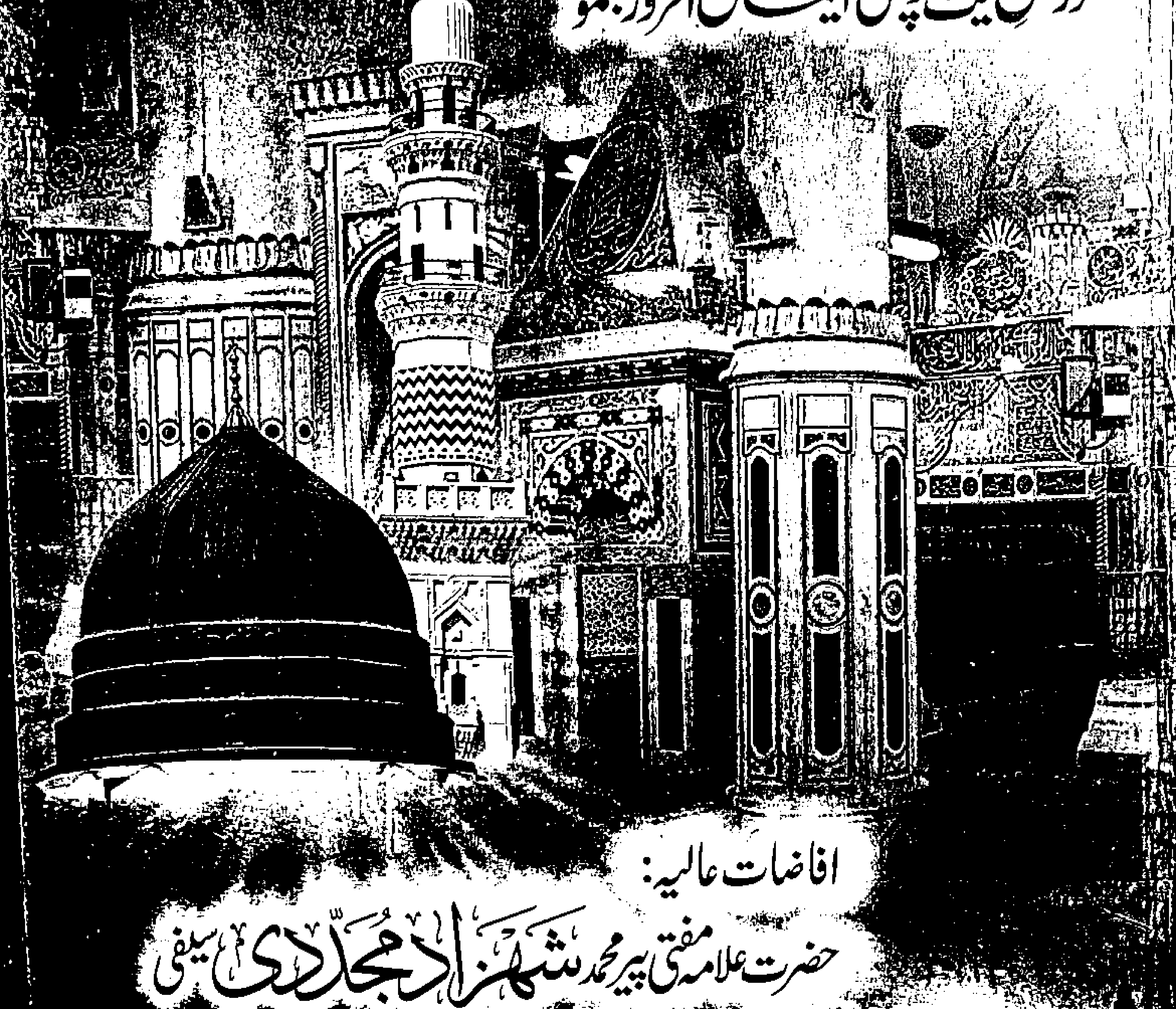
۱۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی المصافحہ: الترغیب والترہیب: 422/3رقم: 4005

"نَضَّرَ اللّٰہُ عَبدًا سَمِعَ مَقالَتِی فَحَفِظَھا وَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا" (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا اس کو یاد کیا اور اس کو صحیح طور پر آگے پہنچایا۔

مجالسِ الحدیث

درسِ حدیث پر مبنی ایمان افروز مجموعہ



افاضات عالیہ:

حضرت علامہ مفتی پیر محمد شہزاد مجددی سیفی